رسالہ

اہل السنۃ والجماعۃ

یعنی

مولانا سید سلیمان ندوی

کے

اُن مضامین کا مجموعہ، جو انھون نے اہل السنۃ والجماعۃ کی لغوی و معنوی تشریح تاریخی بیانات، ان کے مذہب کے اصول اولین کی تحقیق، اور معقول و منقول کے اصول تطبیق پر "معارف" اعظم گڈہ مین لکھے

باہتمام محمد اویس وارثی

مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس شہر اعظم گڈہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام
علےٰ سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین

قومون، ملکون اور ممتاز افرادِ انسانی کی تاریخ بڑی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہی اور صاف نظر آتا ہی کہ وہ کیا تھے اور کیا ہو گئے لیکن کبھی اس پر بھی تم نے غور کیا کہ الفاظ کی بھی کوئی تاریخ ہو سکتی ہی؟ کیا قومون، ملکون اور انسانون کی طرح ان مین بھی انقلابات کا وہی مد و جزر ہی، جس سے دنیا کا ایک ذرہ بھی مستثنیٰ نہین،

صبر کا حقیقی مفہوم، عزم و استقلال، اور جمعیت خاطر اور اطمینان قلب کے ساتھ مصائب کی برداشت ہی، لیکن اب اوس کا مفہوم صرف اسیقدر ہی کہ کوئی زبردست گالی دے اور ہم خاموش رہین، کوئی مارے اور ہم یہ کہکر چپ ہو جائین کہ "خدا ندا! ہم نے صبر کیا تو ہی اس سے جھ غریب کا انتقام لینے والا ہی" لیکن کیا بیچائی کا مفہوم اس سے کچھ زیادہ ہی؟

ظلم کے اصلی معنی جس مین قرآن نے اسکا استعمال کیا ہی، وہ "حد اعتدال سے تجاوز" ہے خواہ

وہ معاملہ اپنے نفس کے ساتھ ہو، یا دوسرے کے ساتھ ہو، کسی غریب کا امیر کے ساتھ یا امیر کا غریب کے ساتھ،
رعیّت کا بادشاہ کے ساتھ یا بادشاہ کا رعیّت کے ساتھ ہو، لیکن اب علی العموم اس کے معنی زبردست کا
زیردست کو ستانا سمجھے جاتے ہین،

شریف کا لفظ اصل مین رئیس کا مرادف تھا، پھر خاندان نبوی کے لئے استعمال ہوا اور
اب اوس کو شریف کہتے ہین جس کے نسب مین ناصاف دی یا آبرو باختہ خاندان کی شرکت نہو،

دہشت کے صحیح معنی استعجاب وحیرت کے ہین لیکن وہ اب خوف اور ڈر کے ہم معنی ہی،

اسلام کے معنی آنحضرت صلعم اور صحابہ کرامؓ کے عہد مین خدا کو ایک، پیغمبرون کو سچا، اور
کلام الٰہی کو برحق ماننا تھا، لیکن اب صفات الٰہی کو عین ذات، یا زائد بر ذات، معجزات کا دلیل
نبوت ہونا یا نہ ہونا، کلام کا مخلوق یا غیر مخلوق ہونا بھی اس کے معنی مین داخل ہی،

مسلمانون مین ہر دور مین سیکڑون فرقے پیدا ہوئے، لیکن وہ نقش برآب تھے اُبھرے اور
مِٹ گئے، لیکن جو فرقہ کے عموم اور کثرت کے ساتھ باقی ہے اور آج مسلمان آبادی کا کثیر حصہ بنکر اکناف
عالم مین پھیلا ہے، وہ اپنے آپ کو فرقہ "اہل السنتہ والجماعۃ" مین شمار کرتا ہی، ذرا ہم کو اس پر غور کرنا
چاہیئے کہ دوسرے الفاظ کی طرح "اہل السنتہ والجماعۃ"، کے مفہوم مین بھی تو کوئی تغیر اور اوس کی حقیقت مین بھی
تو کوئی انقلاب نہین ہو گیا ہی، عام طور سے اہل سنت کے معنی ہندوستان مین یہ سمجھے جاتے ہین کہ جو شیعہ
نہو، آیا یہ تعبیر واقعہ کے مطابق ہے؟

"اہل السنتہ والجماعۃ" تین لفظون سے مرکب ہی" اہل "کے معنی اشخاص، مقلدین، اتباع
اور پیرو کے یہان ہین، "سنت" عربی مین راستہ کو کہتے ہین، اور مجازاً سمت، بندگی اور طریق
کے معنی مین یہ لفظ آتا ہی "سنت" سے مقصود عام سنت نہین، بلکہ اصطلاح دینی مین حضرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرزِ زندگی اور طریق عمل کو "سنت" کہتے ہین، "جماعت کے لغوی معنی "تو گروہ"
کے ہین، لیکن یہان جماعت سے مراد جماعت صحابہ ہے، اِس لفظی تحقیق سے "اہل السنۃ والجماعۃ"
کی حقیقت بھی واضح ہوتی ہی، یعنی یہ کہ اس فرقہ کا اطلاق اُن اشخاص پر ہوتا ہے جن کے اعتقادات
اعمال اور مسائل کا محور پیغمبر علیہ السلام کی سنّتِ صحیحہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا
اثر مبارک ہی،

"سنت" کا مقابل لفظ "بدعت" ہی، بدعت کے لغوی معنی "نئی بات" کے ہین، اصطلاح
شریعت مین اوس کے یہ معنی ہین کہ مذہب کے عقائد یا اعمال مین کوئی ایسی بات داخل ہو،
جس کی تلقین صاحب مذہب نے نفرمائی ہو، اور نہ اون کے کسی حکم یا فعل سے اوس کا منشاء
ظاہر ہوتا ہی، خود آنحضرت صلعم نے اور صحابہ نے اِن دو لفظون کو انھین معنون مین مستعمل
فرمایا ہی، اور کبھی "سنت" کے بجائے "ہُدیٰ" اور بدعت کے بجائے "محدث" فرمایا ہی، لغت مین بھی
یہ الفاظ مترادف ہین، ہدی طریقہ کو کہتے ہین اور محدث کے معنی "نیا"

صحیح مسلم مین آپ کا وہ خطبہ مذکور ہے جس کو دیتے ہوئے آپ کی آنکھین سُرخ ہوجاتی تھین،
آواز بلند ہوجاتی تھی، اور لہجہ غضبناک ہوجاتا تھا،

اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ	بعد اس کے بہترین کلام خدا کا کلام ہے، بہترین
وخیر الھدی ھدی محمد وشر الامور	طریقہ محمد کا طریقہ ہی، بدترین اُمور نئی باتین ہین،
محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ،	اور ہر نئی بات گمراہی ہے،

مسند احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ مین ہے،

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین	میرا طریقہ اور میرے ہدایت یاب جانشینون کا
تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم	طریقہ اختیار کرو، اس کو اچھی طرح پکڑے رہو اور

ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ | اس کو امت سے دبائے ہو، ہان نئی باتوں سے
وکل بدعۃ ضلالۃ | بچنا، ہر نئی بات بدعت ہی اور ہر بدعت گمراہی ہی،

ابوداود، ترمذی، اور ابن ماجہ مین ہے،

ایاکم والمحدثات، فان کل محدثۃ ضلالۃ | نئی باتون سے بچنا، ہر نئی بات گمراہی ہے،

اس قسم کی روایتین حدیث کی کتابون مین کثرت سے ہین، ان روایات میں آنحضرت صلعم نے "نئی بات" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس کی تفصیل دوسرے موقعون پر آگئی ہے، بخاری اور مسلم دونون مین حضرت عایشہ رض سے مروی ہے،

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد - | ہمارے اس مذہب مین یا تعلیم مین جو ایسی نئی بات داخل کریگا جو اس مین نہین تو وہ بات مردود ہی،

صحیح مسلم مین ہے،

من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد، | جو کوئی ایسا کوئی کام کریگا جس پر ہمارا مذہب نہین وہ رد ہے،

ابوداود مین باین الفاظ ہے،

من صنع امراً علی غیر امرنا فھو رد | جس نے ہمارے مذہب کے خلاف کوئی کام کیا وہ رد ہی،

ان احادیث سے یہ واضح ہو گا کہ آنحضرت صلعم جو تعلیم دنیا مین لائے، جن عقائد کی تلقین آپ نے اپنی امت کو فرمائی، مذہب کا جو طریقۂ عمل آپ نے متعین فرمایا، اوس مین ایک ذرہ کمی و بیشی بھی **بدعت** ہے، اور کسی حال مین وہ اسلام کا جزء اور عنصر نہین قرار پا سکتی،

کسی قوم مین اصلاح کے ظہور کے بعد فساد کا یہ کیونکر راہ پاتا ہے، شارع اسلام

علیہ الوف التحیۃ والسلام اس سے بیخبر نہ تھا، فرمایا،

ما من نبی بعثہ اللہ الا کان لہ من	خدا نے کسی پیغمبر کو مبعوث نہین فرمایا لیکن اس کے
امتہ حواریون و اصحاب یاخذون	چند خاص اتباع اور پیرو بنائے جو اسکی سنت کو اختیار
بسنتہ و یقتدون بامرہ ثم انہا	کرتے ہین اور اوس کے مذہب کی اقتدا کرتے ہین، پھر اسکے
تخلف من بعدہم خلوف یقولون	بعد ایسی نسلین آتی ہین جو کہتی ہین وہ کرتی نہین،
مالا یفعلون ویفعلون مالا یومرون	اور کرتی ہین وہ جس کا اون کو حکم نہین دیا گیا،
فمن جاھدہم بیدہ فھو مومن	جو اون سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہی، جو
ومن جاھدہم بقلبہ فھو مومن	زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہو اور جو دل سے جہاد
ولیس وراء ذالک من الایمان	کرے وہ مومن ہی، اس کے بعد رائی برابر ایمان
حبۃ خردل (مسلم)	نہین۔ (مسلم)

۲

اسلام کے اس حکم قطعی کے بعد کہ صاحب شریعت کے تعلیمات اور احکام پر کسی قسم کا اضافہ کرنا یا اون مین سے کسی جزء کو ساقط کردینا "سنت" کی بیخکنی اور "بدعت" کی پرورش ہی، "اہل السنۃ" کے معنی واضح ہو جاتے ہین، لیکن اس کے بعد "والجماعۃ" کا لفظ سامنے آتا ہی، اسلئے "والجماعۃ" کی تفسیر بھی خود صاحب شریعت کی زبان سے سن لینی چاہیے،

اسلام دنیا کے تفرقون کو مٹا کر تمام دنیا کی ایک عمومی برادری قایم کرنے آیا تھا، وہ آیا اور اپنے مقصد مین کامیاب ہوا، اس نے عرب کے متفرق قبائل کو جو باہم دشمن یا کم از کم نا آشنا تھے، اون کی قبائلی تقسیم کو مٹا کر صرف "جامعۂ اسلام" کے ایک رشتہ مین اون کو باہم متحد کردیا، مہاجرین و انصار مین وہ اخوت پیدا کردی کہ نسبی برادریان

اس کے آگے ہیچ ہوگئین،

کسی قوم مین کوئی ترقی اوس وقت تک نہین پیدا ہوسکتی، جب تک اوس کے تمام افراد کسی ایک نقطہ پر باہم اِس طرح مجتمع نہ ہوجائین کہ وہ نقطۂ اجتماع اون کی زندگی کا اصلی محور بنجائے، اس کا تحفظ، اس کی بقا، اس کا وجود تمام افراد قوم کی زندگی کی غرضِ اصلی بنجائے، اُس وقت اس مجموعۂ افراد کو ایک قوم کہا جاسکتا ہے، اور وہی نقطۂ اتحاد اون کا شیرازۂ قومیت، رشتۂ جامعیت، اور رابطۂ وحدت قرار پائے گا، کسی قوم کی تباہی کا اصلی سبب یہی ہوتا ہے کہ اوس کی قومیت کی یہ گرہ کھلجاتی ہ، اور تمام مجتمع افراد اِس طرح متفرق و منتشر ہوجاتے ہین کہ ہوا کا ایک ادنیٰ جھونکا اون کو بکھیر دیتا ہے،

یورپ کے تمام متمدن ممالک کا وجود "جامعۂ وطنیت" کے اندر پوشیدہ ہے، **ہندوستان** کی ترقی کی تمام کوششین اوس وقت تک بے اثر رہینگی، جب تک اس کی تمام قومون مین مذہب، یا وطن، یا زبان کسی چیز کا نقطۂ اتحاد نہ پیدا ہو، اسلام نے اپنے سامنے دنیا کی عمومی برادری رکھی ہے، وہ کسی ایک وطن کو، وہ کسی خاص جغرافی ملک کو صرف باہم متحد ہی نہین کرنا چاہتا، بلکہ تمام دنیا کو متحد کردینا چاہتا ہے، تاکہ دنیا مین ایک عام امن وسلامتی پیدا ہوجائے، موجودہ جنگ کے مصائب اسی غلطی کے نتائج ہین، یورپ کا رشتۂ اتحاد وطن یا نسل ہ، جس کا اشتمال لامحالہ صرف ایک محدود نسلی یا جغرافی ملک پر ہوگا، اسلئے یورپ مین سیکڑون جامعیتین پیدا ہوگئی ہین، اِس وقت انگریز جرمن سے نہین لڑتے بلکہ انگلستان جرمنی سے لڑ رہا ہے،

اسلام نے جغرافی اور نسلی امتیازات کو جن کے اندر کبھی تمام دنیا نہین سما سکتی، مٹا کر مذہب کو جامعۂ ارتباط، اور رابطۂ جامعیت قرار دیا تاکہ دنیا کے جس حصہ اور

انسانوں کی جن نسلوں تک بھی اس کا دائرہ وسیع ہو وہ ایک برادری کے اندر داخل ہوجائیں

اسلام نے بآواز بلند کہا،

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (حجرات) — مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں،

اسلام کے پیغمبر نے اس کی تفسیر میں کہا،

تری المؤمنین فی تراحمھم وتوادھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضو تداعی سائر الجسد بالسھر والحمی... (بخاری ومسلم)

مسلمان باہمی رحم، محبت اور مہربانی میں ایک بدن کی طرح ہیں، دیکھو کہ ایک عضو کو بھی درد ہوتا ہے تو تمام بدن بیخوابی اور تپ کی دعوت ایک دوسرے کو دیتا ہے،

پھر فرمایا،

المؤمن للمؤمن کالبنیان، یشد بعضہ بعضا،

تمام مسلمان مثل ایک دیوار کے ہیں جسکے ایک حصے سے جڑ کر دوسرا حصہ مستحکم ہوجاتا ہے،

ارشاد ہوا،

المسلم اخو المسلم لایظلمہ ولایسلمہ (بخاری ومسلم)

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اسپر ظلم کرے اور نہ اوس کی اعانت ترک کرے،

آپ نے فرمایا،

کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ (مسلم)

ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان پر تمام چیزیں حرام ہیں، اوس کا خون اوسکا مال اور اوسکی آبرو،

ایک دفعہ آپ نے صحابہ کو مخاطب کرکے فرمایا،

انصر اخاک ظالما او مظلوما

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو،

صحابہ مین سے ایک نے عرض کی، "مظلوم ہو تو مدد کرون گا، لیکن ظالم ہو تو کیونکر مدد کرون"، فرمایا "اُس کی مدد یہ ہے کہ اُس کو ظلم سے باز رکھو"

امت اسلامیہ کی اجتماعی زندگی کی نسبت فرمایا،

ان اللہ لا یجمع امتی علی الضلالۃ	اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر مجتمع نکرے گا
ید اللہ علی الجماعۃ ومن شذ	خدا کا ہاتھ جماعت پر ہو جو جماعت سے الگ ہوا
شذ فی النار (ترمذی)	وہ دوزخ مین الگ ہوا، (ترمذی)
تفترق امتی علی ثلث وسبعین ملۃ	میری امت تہتر فرقون پر منقسم ہو گی، بہتر
ثنتان وسبعون فی النار وواحدۃ	دوزخ مین اور ایک جنت مین، اور وہ
فی الجنۃ وھی الجماعۃ،	جماعت ہو گی،

انھین معنی کی اور بہت سی حدیثین مروی ہین، اِن سے "اہل السنۃ" کے بعد "والجماعۃ" کی تفسیر ہوتی ہی،

۳

اسلام مین "سنت" اور "جماعت" مین سے سب سے پہلے "جماعت" کا اُصول ٹوٹا،

اِس جماعت شکنی نے سیاسی حیثیت سے مسلمانون کو مختلف فرقون مین تقسیم کر دیا یعنی عثمانیہ و سبائیہ

یہ فرقے خود صحابہ کے اخیر عہد مین پیدا ہو چکے تھے، سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے ملکی طرز عمل اور سیاسی انتظامات کی بنا پر دو فرقون کا ظہور ہوا، ایک اِن کا حامی اور طرفدار تھا، اور دوسرا انکا مخالف اور دشمن تھا، پہلا فرقہ تاریخ مین عثمانیہ کہلاتا ہی، اور دوسرے کا نام سبائیہ ہی (ابن سبا ایک یہودی نومسلم تھا جس نے مخالفین عثمان کو ایک شیرازہ مین مجتمع کیا تھا) عثمانیہ خالص عرب تھے، سبائیہ مین عرب و عجم دونون عنصر

شامل تھے، ان دونوں قوموں کے خصائص طبعی بالکل مختلف ہیں، عرب تلوار کے دھنی ہیں، اور اہل عجم باتوں میں کام نکالنے کے عادی ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی دو میدانوں کے بعد یہ فرقہ دو حصوں میں منقسم ہو گیا، ایک نے اپنے لیے علویہ یا شیعۂ علی کا لقب پسند کیا، اور دوسرا خوارج کے نام سے مشہور ہوا، لوگ ان کو عموماً حروریہ کہتے تھے، (حرورا ایک مقام کا نام تھا، جہاں اس فرقہ نے اپنی علیحدہ ہستی کا سب سے پہلے اعلان کیا) یہ تمامتر عرب تھے، اور نظریۂ سابق کے مطابق اوس نے اپنے دعووں کا دو ڈھائی سو برس تک ہمیشہ تلواروں کے ذریعہ سے اعلان کیا، اور کبھی اوس نے خلفا کے عہد کے سامنے سر اطاعت خم نہ کیا،

علویہ میں عرب کمتر لیکن اہل عجم کا بڑا حصہ شامل تھا، اسی لیے اس اخیر عنصر میں تلوار کے بجائے سازشوں کا مادہ فطرۃً زائد تھا، اور جو عرب تھے وہ اپنی وفاداری پر قائم رہے، انصار کا ایک حصہ علوی تھا، اور بہت سے محدثین علوی تھے یعنی حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل جانتے تھے،

فرقہ عثمانیہ سو برس تک بنو امیہ کی زندگی کے ساتھ قایم رہا بعض بعض صحابہ اور بعض اکابر محدثین اس فرقہ میں داخل تھے، اسماء الرجال میں بعض محدثین کے حالات کے ضمن میں اسکی تصریح ملتی ہے کہ وہ عثمانی یا علوی تھے، لیکن بنو امیہ کے زوال کے بعد اس فرقہ کا نام ونشان تک نہ تھا،

ان فرقوں نے تھوڑے دن کے بعد ملک کی جغرافی تقسیم کر لی، عثمانیہ شام میں علویہ اور حروریہ عراق میں، اور اہل السنتہ حجاز میں، ابتداءً عثمانیہ اور علویہ میں صرف اسیقدر فرق تھا کہ عثمانی حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ سے افضل سمجھتے تھے، اور علویہ حضرت علیؓ کو اون سے بہتر جانتے تھے، شیخین کی فضیلت پر دونوں کو اتفاق تھا، لیکن رفتہ رفتہ یہ

ناصبیہ ہوگئے یعنی حضرت علیؓ کو علی الاعلان نعوذ باللہ گالیان دینے لگے، لامحالہ اسکا رد عمل ہونا ضرور تھا، علویہ نے نہ صرف بنوامیہ کو بلکہ خلفائے اوّلین کو بھی بُرا کہنا شروع کیا، لیکن معلوم ہوتا ہو کہ علویہ کا یہ فعل بہت بعد شروع ہوا، کیونکہ صحاح کی کتابون مین بنوامیہ کی ان شرارتون، اور خوارج کی بدعقیدگیون کی تردید صحابہ کی زبان سے مصرح مذکور ہو، لیکن علویہ کی نسبت ان کا کوئی حرف میری نظر سے نہین گذرا،

ہم نے لکھا ہے کہ ان سیاسی اختلافات نے مذہبی اختلافات کی بنیاد قائم کی، سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوا کہ جو لوگ جنگ جمل و صفین وغیرہ مین اِدھر یا اُدھر سے شریک ہوئے اون مین برسرحق کون تھا، اور آیا دوسرا فریق اِس آیت کا مستحق ہو یا نہین،

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا — جو کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے گا اوسکی جزا جہنم ہو، جس مین وہ ہمیشہ رہے گا،

یہ اختلاف سب سے پہلے کوفہ مین پیش آیا، اور یہین سے یہ صدا بلند ہوئی، صحابہ زندہ تھے، سعید بن جبیر حضرت ابن عباس کے پاس آئے، اور پوچھا کہ یہ آیت منسوخ ہو، فرمایا نہین، یہ آخری آیتون مین ہو، (مسلم کتاب التفسیر) خوارج اس کے قائل تھے کہ چونکہ طرفین نے ایک دوسرے پر جان بوجھ کر تلوار اُٹھائی اسلئے دونون جہنمی ہین، چنانچہ اسی اصول کی بنا پر ان تمام خانہ جنگیون مین وہ دونون جماعتون کو برابر کافر جانتے تھے، اور چونکہ قتلِ عمد گناہ کبیرہ ہے اور اسکے لئے خدا نے دائمی جہنم کی دھمکی دی ہے، جو کافرون کی سزا ہو، اس سے وہ ثابت کرتے تھے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب مومن نہین ہین، یہ آیت بظاہر خوارج کے اثبات مدعا مین ایسی صاف تھی کہ خوارج اپنے خیالات کی اشاعت مین اِسی سے کامیاب ہوتے تھے، مسلم مین روایت ہو کہ چند تابعین خوارج کے دلائل سے معقول ہوکر خارجی بنگئے

اتفاق سے حج کا زمانہ پیش آیا اور اونکا مدینہ مین گذر ہوا، مسجد نبوی مین حضرت جابر بن عبداللہ ایک مشہور صحابی اپنے حلقہ کو درس دے رہے تھے، اون لوگون نے اپنے شکوک اون کے سامنے پیش کیئے، اونھون نے تشفی کر دی، اور ایک کے سوا سب لوگون نے اپنی سابق رائے سے توبہ کر لی،

دوسرے فرقون کے سامنے قرآن مجید کی دوسری آیت تھی،

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	اگر مسلمانون کی دو جماعتین باہم کشت وخون
اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ	کرین تو اون کے درمیان صلح کرا دو، اور
بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى	اگر اون مین سے ایک دوسرے پر ظلم کرے
فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰى	تو ظالم جماعت سے لڑو یہانتک کہ وہ حکم الٰہی کی
اَمْرِ اللّٰهِ (حجرات)	طرف رجوع کرے،

علوی اور عثمانی دونون اِس آیت کو اپنے اپنے دعوی کے ثبوت مین پیش کرتے تھے، وہ خود کو برسرِ حق ٹھہرا کر دوسرے فریق کو برسرِ باطل قرار دیتے تھے، اور اس لئے اوس پر تلوار اٹھانا جائز سمجھتے تھے،

(۴)

اتنے توبرتو پردون کے اوٹھنے کے بعد، اب، اب وقت آیا ہو کہ "اہل السنتہ والجماعۃ" کی حقیقت پر غور کیا جائے،

فتنۂ عثمانؓ ذی النورین سے لیکر اس وقت تک تین فرقے برابر برابر کے قایم ہوگئے تھے، علویہ، عثمانیہ، حروریہ، یا خوارج، اُنکی تعداد تمام ملک مین محدود تھی، یہ تینون فرقے جس اصل اعظم، جس راہ مستقیم، جس شاہراہ قدیم کو چھوڑ کر الگ الگ راستون پر پڑ لئے تھے،

اسی کا نام "سنت" اور اسی کا نام "جماعت" تھا اور جو سواد اعظم اس راہ پر قدم زن تھا
وہی "اہل السنتہ والجماعتہ" تھے، جو ایک طرف مذہبی حیثیت سے ان اصول سے جن کی شارع نے
تعلیم کی تھی ایک ذرہ ہٹنا نہین چاہتے تھے، دوسری طرف سیاسی نقطہ سے عامۂ صحابہ،
سواد اعظم، جمہور، اور جماعت کی رائے کے پابند تھے، ان تمام خانہ جنگیون مین کچھ لوگ امیر معاویہؓ
کے ساتھ تھے وہ عثمانیہ تھے، کچھ جناب علی مرتضیٰؓ کے ساتھ تھے وہ علویہ تھے، اور کچھ دونون کو
برا جانتے تھے وہ حروری اور خوارج تھے، "اہل السنتہ" وہ تھے جو دونون مین سے کسی
فریق کو برا نہین جانتے تھے، اور اون کی اصل نیت پر حملہ نہین کرتے تھے، ان کی حیثیت ان
تمام خانہ جنگیون مین "ناطرفدار جماعت" کی تھی، اسلئے "اہل السنتہ" کسی فریق کے طرفدار
گروہ کا نام نہ تھا، بلکہ ناطرفدار گروہ کا نام تھا، وہ ان خانہ جنگیون کو مذہبی جنگ نہین بلکہ سیاسی جنگ سمجھتے تھے، وہ اسکو
فتنہ کہتے تھے، اور اس کی شرکت پر عدم شرکت کو ترجیح دیتے تھے،

صحابۂ کبار مین سے ان خانہ جنگیون کے عہد مین ہزارون صحابہ زندہ تھے، لیکن
فریق کی حیثیت سے جن کا نام پیش کیا جا سکتا ہے وہ معدودے چند اشخاص تھے، بقیہ سواد اعظم
ناطرفداری کی حالت مین تھا، جو بعض اشخاص فریق کی حیثیت سے ادھر یا ادھر شریک تھے
وہ ایک دوسرے کو نعوذ باللہ فاسق یا کافر نہین سمجھتے تھے، حضرت عمارؓ بن یاسر حضرت
علی مرتضیٰؓ کے سخت طرفدار تھے، وہ حضرت عائشہؓ کی فوج کے مقابل مین اہل کوفہ کو شرکت
جنگ کے لیئے ابھارتے ہین تو یہ الفاظ اون کی زبان سے نکلتے ہین،

انی لاعلم انھا لزوجتہ فی الدنیا — مین جانتا ہون کہ وہ دنیا مین آپکی بیوی تھین اور آخرت
والاخرۃ ولکن اللہ ابتلاکم — مین بھی آپکی بیوی رہینگی یعنی جنتی ہین لیکن خدا تم کو آزمانا چاہتا ہے
لتتبعوہ او ایاھا، — کہ اونکا ساتھ دیتے ہو یا انکا دیتے ہو،

حضرت زبیر کے قاتل نے جب حضرت زبیر کا سرمبارک حضرت علیؓ کی خدمت مین پیش کیا تو آپ نے فرمایا قاتل ابن صفیہ کے لیے جہنم کی بشارت ہو، ہم ہی وہ ہین جن کی شان مین خدا نے فرمایا ہے[1]،

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ	ان (اہل جنت) کے سینون کی عداوتین ہٹنے دور
مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ	کردین اور وہ جنت مین بھائی بھائی بنکر آمنے سامنے
مُتَقَابِلِیْنَ،	تخت پر بیٹھے ہون گے،

امیر معاویہ کو حضرت علی سے جسقدر سیاسی مخالفت تھی وہ پوشیدہ نہین لیکن جب علمی و دینی ضرورت پیش آئی تو اون کو اسی بارگاہ کی طرف رجوع کرنا پڑا[2]، حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ کے مقابل فوج لائی تھین لیکن دینی ضرورتون کے موقع پر اونھون نے بھی حضرت امیر کے پاس سے انکار نہ کیا[3]،

بہرحال ان روایتون سے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ ان بعض معدود صحابہ مین جو اختلاف تھا، وہ فرقہ بندی کی حیثیت نہین رکھتا تھا بلکہ اختلاف رائے کی حیثیت رکھتا تھا اس بنا پر سواد اعظم نے ان خانہ جنگیون کو "خطاء اجتہادی" سے تعبیر کیا، قرآن کی جو چند اوپر نیچے کی آتیین علویہ اور عثمانیہ ہمکو سنا کر رہ گئے تھے وہ پوری آتیین ہمکو سناتے ہین،

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا	اگر مسلمانون کی دو جماعتین باہم لڑین تو اونکے درمیان
فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا	صلح کرادو اور اگر انمین سے ایک دوسرے پر ظلم کرے اس سے لڑو
عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی	یہانتک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے تو
تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا	اون مین صلح کرا دو،

---

[1] طبری، [2] سنن سعید بن منصور، [3] مسلم، المسح علی الخفین،

بَيْنَهُمَا، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ	خدا اہل انصاف کو دوست رکھتا ہے،
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ،	مسلمان تو آپس مین بھائی بھائی ہین، اپنے دو بھائیون کے درمیان صلح کراؤ اور خدا سے ڈرو تاکہ تمپر رحم کیا جائے،

وہ صحابہ جو ان لڑائیون مین شریک نہین ہوئے، اسلام کی تباہی پر اونکے پر درد کلمات، اور زمانۂ فتن کے متعلق آنحضرت صلعم کے اقوال اور نصائح جس حسرت اور افسوس کے ساتھ بیان کرتے تھے، ابتک اون کے پڑھنے سے آنکھین اشک آلود ہوجاتی ہین، فاتح ایران حضرت سعد وقاصؓ خانہ نشین ہوگئے تھے، اور کہتے تھے کہ اگر میرے گھر آکر بھی کوئی مجھپر تلوار چلائے تو مین اپنا ہاتھ اوس پر نہ اٹھاؤن گا، سہلؓ بن حنیف سے عدم شرکت کی وجہ پوچھی گئی تو کہا مین نے جب اپنی تلوار میان سے نکال کر کندھے پر رکھی ہے تو دفعتہً تمام مشکلین حل ہوگئی ہین، لیکن موجودہ مشکلات کی نسبت مین نہین جانتا کہ کیا کرون؟" حضرت علیؓ نے ایک بزرگ سے شرکت کی درخواست کی انھون نے عرض کی" میرے دوست اور آپ کے چچیرے بھائی یعنی رسول اللہ صلعم نے مجھسے کہا ہے کہ جب ایسا وقت آئے تو لکڑی کی تلوار رکھنا، سو وہ لکڑی کی تلوار لیکر چل سکتا ہون" حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابو بکرہؓ نے لوگون کو بتایا کہ یہ وہ زمانہ ہے جس مین سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے، اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہے"

چند ایسے صحابہ بھی تھے جو اس زمانہ مین گھرون کو چھوڑ کر گاؤن اور پہاڑون مین چلے گئے تھے، ایسے بھی تھے جو اپنی رائے کے مطابق ادھر یا ادھر فوج مین موجود تھے

لیکن اونھون نے تلوار نہین چلائی، احادیث کے ابواب الفتن کو دیکھو تو اس قسم کے واقعات صفحہ صفحہ پر ملین گے،

(۵)

در راہِ عشق پیروِ پشیمیان نہ ایم — این شیوہ را بطرز دگر می کنیم ما

گذشتہ نمبر مین "اہل السنتہ والجماعۃ" کی جو تعبیر کی گئی تھی، وہ سیاسی فرقون کے مقابلہ مین تھی، لیکن حالات انقلاب سے یہی لفظ ایک اور معنی پیدا کرتا ہی، جس کو ہم لفظ "اہل السنتہ والجماعۃ" کا دوسرا دور کہتے ہین،

اس دوسرے دور کی تشریح کے لیئے ایک مختصر تمہید کی ضرورت ہی،

جس طرح اشخاص کے فطری خصائص اور اخلاق ہوتے ہین، اسی طرح قومون کی بھی فطری خصوصیتین اور اون کے طبعی اخلاق ہین، عرب کی قوم فطرۃً سرتاپا عمل ہی، ایران سرتاپا خیال اور تخیل ہے، جن لوگون کی نظر علم کلام کی تاریخ پر ہی وہ جانتے ہین کہ جب تک عربون کا ایرانیون کے ساتھ اختلاط نہین ہوا، عربون کے ہر قسم کے قواے عملی زندہ تھے، آنحضرت صلعم نے مسلمانون کو دوسری قومون کی تقلید و مشابہت سے منع فرمایا تھا، اس کا مقصد یہی تھا کہ مسلمانون کے قواے اخلاقی، اسلامیت اور عربیت کے صحیح نمونہ پر قایم رہین، حضرت عمرؓ نے مسلمان سپاہیون کو ایران کی مہم پر روانہ کیا تھا تو اون کو نصیحت کی تھی کہ ایرانیون سے آرام طلبی کی تعلیم نہ حاصل کرین، اغیر قومون کو مسلمانون کے تشبہ اور اون کے طرز لباس کی تقلید سے بھی اسلیئے روکا کہ اسلامیت کا جوہر اس اختلاط اور تشابہ سے برباد نہ ہوجائے،

فتحِ ایران کے بعد عرب و عجم کے حدود پر فوجی چھاونیون کی تعمیر کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ اسی ضرورت کی بنا پر کوفہ اور بصرہ کے شہر آباد ہوئے، تھوڑے ہی دنون مین یہ شہر

عرب وعجم کے غیر مرئی اخلاق وخصائص کے نمائشگاہ بن گئے، ان اطراف مین اسلام کے پہلے سے بھی پارسیون کے وہ فرقے جن کا مذہب سرکاری مذہب کے موافق نہ تھا، اور مجوسیت کے باطل فرقے شمار ہوتے تھے، آباد تھے، چونکہ یہ حکومت ایران کی آخری سرحد تھی اسلیئے ان مذہبی مجرمون کے لیئے اس سے بہتر کوئی مامن نہ تھا، عربون نے فوجی نقطۂ نگاہ سے ان مقامات کو اپنا فوجی مرکز قرار دیا،

عرب کی خشک آب وہوا مین رنگین طبیعتون کی پرورش کے لیئے عراق کے مرغزار دلنواز دجلہ وفرات کے کنارون سے بہتر کوئی جگہ نہ تھی، ان وجوہ سے اس زمانہ مین یہ شہر علم ومذہب اور ادب وتمدن کی دلچسپیون کے باغ وبہار تھے، لیکن عرب وعجم کے رنگ ومذاق مین جو طبعی اختلافات ہی، اس کے ابھرنے کے لیئے بھی اس سے بہتر زمین کا کوئی قطعہ نہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ وعمل کی فوجی سرزمین اوہام وخیال کی رزمگاہ بنگئی،

لوگ کہتے ہین کہ رات کو بیماری کی شدت بڑھجاتی ہی لیکن واقعہ یہ ہی کہ بیماری کی شدت نہین، بلکہ بیمار کے احساس کی شدت بڑھجاتی ہی، دن کے شوروغل اور حواس کی مصروفیت مین احساس کا کم موقع ملتا ہی لیکن رات کے خاموش اور غیر مصروف گھنٹون مین ہمارے احساسات ایک ایک رونگٹے کو ٹٹولتے ہین، اور اوس کی تکلیف کو محسوس کرتے ہین،

امام حسنؓ اور امیر معاویہ نے جب باہم صلح کر لی، اور لوگون کو اطمینان سے غور کا موقع ملا، تو ہر گروہ کو اپنے بدن کے زخم جن کے دیکھنے کی پہلے فرصت نہ تھی محسوس ہونے لگے، دن کے شوروغل اور حواس کی غافلانہ مصروفیت کے بعد اب شام ہو رہی تھی اور رات کے گھنٹے آرہے تھے، عمل کا دور ختم ہو کر اب تخیل کا دور شروع ہوتا ہی، سب سے پہلے سوال یہ پیدا ہوا اور یہ کوفہ سے پیدا ہوا کہ ہم اگر حق پر تھے تو دوسرے فریق کی نسبت ہم کیا خیال کرین، اور اگر حق پر نہ تھے

توہم خود مذہبی عدالت مین کیا ٹھہرتے ہین؟ قرآن کہتا ہی،

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا، جس نے کسی مسلمان کو عمداً قتل کیا اوس کی جزا جہنم ہی، جس مین وہ ہمیشہ رہے گا،

اس بنا پر عثمانیہ اور طرفداران معاویہ اپنے کو برسرحق سمجھکر دوسرے کو جہنمی قرار دیتے تھے، علویہ بھی اپنے مخالفین کی نسبت یہی فیصلہ کرتے تھے، خوارج نے کہا کہ دونون نے جان بوجھکر ایک دوسرے پر تلوار چلائی، اسلئے دونون جہنمی ہین، **اہل السنتہ** کا فیصلہ یہ تھا کہ یہ قتل عمد نہین قتل شبہہ ہی، کہ ہر ایک فریق اپنے کو برسرحق جانکر اور دوسرے کو برسرباطل سمجھکر مذہباً اور اعتقاداً دوسرے کا خون بہانا جائز اور مباح سمجھتا تھا، اسلئے اس کا فیصلہ اوسکے ہاتھ ہی جو حقیقت حال سے واقف، اور نیتون کے اصل نشاء سے آگاہ ہی،

بخاری اور مسلم دونون مین ہی کہ کوفہ سے چند لوگ حضرت **ابن عباسؓ** کی خدمت مین آئے اور اون سے پوچھا کہ یہ آیت منسوخ ہی، فرمایا نہین، یہ آیت آخر مین اتری ہے، اس کو کسی نے منسوخ نہین کیا، مسلم مین ہی کہ حضرت عایشہؓ نے فرمایا" قرآن مین تو یہ ہے کہ ہم مسلمانان اول کے لیئے دعائے مغفرت کرین، لیکن لوگ اون کو گالیان دیتے ہین" ام المومنین کا اس آیت پاک کی طرف اشارہ ہی،

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ خداوندا ہم کو اور ہمارے اون بھائیون کو جو

ل یہ فیصلہ بحیثیت خانہ جنگیون کے ہی، ورنہ مناقب و فضائل کے لحاظ سے حضرت علی کا جو پایہ ہی وہ اظہر من الشمس ہی اونکے مقابلہ مین امیر معاویہ وغیرہ کا نام لینا، ذرہ کو آفتاب کے برابر کرنا ہی، حضرت عثمان اور حضرت علی کی ترتیب فضیلت کے باب مین گو اب جمہور اہل السنتہ کا یہی مسلک ہی کہ حضرت علیؓ کا درجہ حضرت عثمانؓ کے بعد ہی لیکن قدمائے اہل السنتہ اس مسئلہ مین مختلف الرائے ہین، ابن الندیم نے کتاب الفہرست مین بیسیون محدثین کے نام لکھے ہین جو حضرت علی کی تفضیل کے قائل ہین،

سَبَقُونَا بِالْاِیْمَانِ، ایمان مین ہم سے پہلے ہین معاف کر،
یہ حدیثین بخاری اور مسلم کی کتاب التفسیر مین ہین، سلف صالحین اور محدثین اہل سنت نے
اصُولی حیثیت سے اِس مسئلہ کو ذکر کیا، چنانچہ عقائد کی تمام کتابون مین اِس کا تذکرہ ہی،

خوارج کے نزدیک چونکہ یہ قتلِ عمد تھا جو گناہ کبیرہ ہے اور جس سے دائمی جہنم کا
انسان مستوجب ہوتاہے، اور دائمی جہنم کا مستوجب ہونا صرف کافرون کی صفت ہی، اسلئے
گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہوگا، اس نتیجہ نے خارجی مذہب کے اصول اولین کی حیثیت اختیار کرلی،
اس کے بالمقابل ایک اور فرقہ ہوا جو **مرجئیہ** کے نام سے مشہور ہوا، اس نے بعض احادیث کی
بنیاد پر یہ دعوی کیا کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہین گناہ سے مومن کسی طرح عذاب کا
مستحق نہین ہوتاہے چہ جائیکہ اس سے کفر لازم آئے، ایک تیسرا فرقہ **معتزلہ** کا ان
دونون کے بیچ مین پیدا ہوا جس نے دونون گذشتہ فریقون کے دلائل سنکر یہ فیصلہ کیا کہ
گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مومن ہو نہ کافر ہے، وہ کفر اور ایمان کے بیچ کی منزل مین ہی،

اہل السنتہ پھر آگے بڑھتے ہین، وہ اِن فرقون کی طرح جو صراط مستقیم سے ہٹ گئے
صرف ایک دو آیت یا حدیث کو لیکر فیصلہ نہین کرتے، اون کے سامنے قرآن کی تمام آیتین
تھین، رسول اللہ صلعم کے اقوال و ہدایات تھے، صحابہ کے آثار اور روایات تھے، انھون نے
کہا، گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کفر لازم نہین آتا، لیکن عذاب کا مستحق ضرور ہوتا ہی، یہ ممکن ہی
کہ خداوند تعالیٰ اپنی قدرت اور رحمت سے گنہگار کی خطاؤن کو معاف کردے اور اُسے
عذاب سے بچالے، صحیح مسلم مین ہی کہ بعض لوگ خوارج کے دلائل سنکر خارجی بنگئے، اتفاق سے
انکا گذر مدینہ مین ہوا، وہان حضرت جابر سے ملاقات ہوئی، ان سے پوچھا کہ گنہگار بخشے بھی
جائینگے، اونھون نے قیامت کے تمام واقعات اور گنہگارون کی شفاعت اور مغفرت بھی

حدیث بیان کی یہ سنکر ایک کے سوا سب تائب ہوگئے[1]،

ہم نے پہلے نمبر مین لکھا ہو کہ اِن فرقون نے قومی تقسیم کے علاوہ ملکی تقسیم بھی حاصل کرلی تھی،
شام مین عثمانی وناصبی وغیرہ حامیان بنی امیہ تھے، اور **عراق** مین علوی اور اہل عجم تھے،
بنوامیہ نے میدان **کربلا** مین جگر گوشۂ رسول کے ساتھ جو کچھ کیا، سرزمین حرم مین نواسۂ
صدیقؓ (ابن زبیر) کو جس بیدردی کے ساتھ قتل کیا، امام زین العابدین کے ولبند زید
شہید کا سر جس طرح اُتارا گیا، **مدینۃ الرسول** مین انصار کرام جو رسول کے دست و بازو تھے، انکو
جس سفاکی سے تہ تیغ کیا، **بصرہ** کے محدثین اور علماء کا خون جسطرح بیدریغ بہایا اوسکو دیکھ دیکھکر اور سن سنکر تمام مجمع اسلامی
دم بخود تھا،

تلوار کا جادو زبان کو گونگا کرسکتا تھا لیکن دل کا کانٹا نہین نکال سکتا تھا اسکے لئے مذہبی نشتر کی
ضرورت تھی، آخر وہ نشتر بنوامیہ کو مل گیا، اور وہ "مسئلۂ جبر تھا" یعنی یہ کہ انسان مجبور محض ہے جو کچھ
کرتا ہے خدا کرتا ہے، اسلیے انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار نہین، اسکی ذمہ داری خدا پر عاید ہے،
ان وجوہ سے اِن سفاکیون کے وہ مجرم نہین بلکہ نعوذ باللہ خود خدا مجرم ہے[1]،

اِس کے مقابل تم خود فیصلہ کرسکتے ہو کہ عراق کے مذہبی جادوگرون نے اہل شام کے
اِس منتر کو کیونکر کاٹا ہوگا، وہ "نظریۂ قدر" ہے یعنی یہ کہ انسان اپنے تمام اعمال کا آپ ذمہ دار
ہے، تقدیر کوئی شے نہین[2]، خدا نے اس کے افعال پر اس کو قدرت دے رکھی ہے،
انسان خود جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے، یہ آواز سب سے پہلے عراق سے اُٹھی، اور
سنسویہ یا سوسن نام ایک عجمی نژاد کی زبان سے بلند ہوئی[3] **معبد جہنی** نے اسکو اصول عقائد مین

---

[1] مقریزی جلد ۲ صفحہ ۳۵۶، مصر، [2] صحیح مسلم کتاب الایمان و ترمذی باب ما جاء فی القدریہ، [3] کتاب الصفات
بیہقی و خلق افعال العباد بخاری ص ۸۲ طبع دہلی،

داخل کردیا، کچھ لوگ بصرہ سے حضرت ابن عمرؓ کے پاس آئے اور عرض کی کہ "ہمارے ہان کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے ہین جو تقدیر کے منکر ہین اور کہتے ہین کہ تمام کام پہلے سے مقدر ہوکر نہین بلکہ سرتو ہوتے ہین،" حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ " اون کو کہدو کہ ہم کو اون سے تعلق نہین اور اون کو ہم سے نہین[1]"، معبد جہنی نے مسئلہ قدر کو بصرہ کے علمی حلقون تک پہنچایا، اور پھر رفتہ رفتہ اسکا دائرہ وسیع ہوتا گیا،

معبد اور عطار بن یسار حضرت حسن بصری کی خدمت مین آتے اور عرض کرتے کہ "یہ لوگ (بنو امیہ) خلق خدا کا خون بہاتے ہین اور کہتے ہن کہ ہم لوگ جو کچھ کرتے ہین وہ خدا کے حکم اور تقدیر سے کرتے ہین،" اونھون نے کہا "خدا کے دشمن جھوٹ کہتے ہین" آخر معبد نے بغاوت کی اور عبدالملک اموی کے حکم سے قتل ہوا، معبد کے بعد عمرو ابن عبید، جعد بن درہم، اور غیلان دمشقی وغیرہ نے اِس آواز کو دبنے نہ دیا، اور یہ سب یکے بادیگرے بنو امیہ کے ہاتھ سے قتل ہوئے، ان کے قتل نے اِس فرقہ مین اور زیادہ جوش برپا کردیا، اور ایک دوسرا اصول ان مین مسلم ہوا کہ سفاکون اور ظالمون کو ٹوکنا اور عدل و انصاف کی دعوت دینا فرض ہے، ابتدا اس فرقہ کا نام قدریہ پڑا اور آخر بڑہتے بڑہتے یہی معتزلہ بن گیا،

اب وہ وقت آگیا کہ امویہ کا دور گذر کر عباسیہ کا ستارۂ اقبال سیاہ پرچمون کے سایہ مین ایران کی سرزمین سے طلوع ہوا، یونان و عجم کے فلسفہ نے زبانون کی گرہین کھول دین، جس کے منہ سے جو بات نکلی وہ ایک مذہب بن گئی، عراق، خراسان، رَے وغیرہ ایران کے بڑے بڑے شہر مذہب سازیون اور فرقہ بندیون کے

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان،

مرکز بن گئے، خراسان مین جہم بن صفوان ترمذی پیدا ہوا جس نے تمام صفات الٰہیہ کا انکار کیا،
اور خدا کو مجبور محض فرض کیا، معتزلہ نے خدا کو صفات سے اس قدر منزہ کیا کہ وہ معدوم کے
ہم معنی بن گیا، ابن کرام سیستانی نے سب سے پہلے خدا کی تجسیم کا وہ اعتقاد ظاہر کیا کہ ایک
خوبصورت اور ثقہ صورت انسان بنا کر تخت پر بٹھا دیا، معتقدین تجسیم بھی ایک خیال پر متفق
نہ ہوئے خراسان مین سلیمان مفسر نے یہ اعتقاد ظاہر کیا کہ خدا کا جسم گوشت اور پوست
سے مرکب ہے، ہشام بن حکم نے گوشت پوست کے بجاے اوس کو نورانی الجسم کہا، ہشام بن
سالم جوالقی نے کہا خدا نور ہے، گوشت پوست نہین، اوپر کا دھڑ مجوف اور نیچے کا دھڑ ٹھوس ہے،
اوس کے کالے کالے بال ہین، انسانون کی طرح حواس خمسہ رکھتا ہے، اوس کے ہاتھ پاؤن ہی،
منھ ہی، ناک ہی، داڑھی نہین، بیان بن سمعان نے کہا خدا کے جسم تو ہے لیکن وہ قیامت مین
فنا ہو جائے گا، صرف چہرہ رہجائیگا، معتزلہ نے خدا کی رویت کا انکار کیا، اکثر نے تسلیم کیا
دوسرون نے کہا رویت ان حواس خمسہ سے نہین بلکہ ایک اور حاسہ سے ہوگی جو قیامت
مین خدا پیدا کرے گا،

یہ بحث تو صرف خدا کی ترکیب کے لحاظ تھی، خدا کے صفات کی بحث اس کے بعد
شروع ہوتی ہی، جہمیہ نے خدا کے صفات الٰہیہ سے انکار کیا کہ اگر صفات ہون تو اون کی
بقا بھی لازم آتی ہے، اور دائمی بقا صرف خدا کی ذات کو ہے، نیز اگر صفات الگ ہون تو ذات و صفات سے مل کر خدا کی
ترکیب لازم آتی ہی، اور وہ ترکیب سے پاک ہی، معتزلہ نے کہا خدا کی عین بسیط ذات ہی صفات
کی قائم مقام ہی، اس کے مقابل ظواہر نے کہا صفات ذات سے الگ مستقل معنی رکھتی ہیں،
اشاعرہ نے کہا کہ صفات نہ عین ذات ہین نہ خارج از ذات ہین، کعبی بلخی نے کہا کہ
خدا مین صرف ایک صفت علم ہی، ارادہ اوسکی ذات کے ساتھ قایم ہی،

ایمان اور عمل ایک شے ہے یا عمل ایمان سے خارج ہی، ایمان زبان سے صرف اقرار کا نام ہی، یا دل سے محض اعتقاد کا، یا زبان کے اقرار اور دل کے اعتقاد دونون کے مجموعہ کا، ایمان مین کمی زیادتی ہوسکتی ہی یا نہین، خدا پر ایمان لانا عقلاً واجب ہی، یا سمعاً، نبوت کا ثبوت عقل سے ہوتا ہی یا نقل سے، معجزہ ممکن ہی؟، معجزہ دلیل نبوت ہی یا نہین، معجزہ مخفی اسباب پر مبنی ہوتا ہے؟ خدا کے احکام مین مصالح اور حکم ہوتے ہین، خدا کے کام اسباب کے زیر اثر ہین؟ قرآن معجزہ ہی یا نہین، قرآن کا جواب درحقیقت نہین ہوسکتا تھا یا ہوسکتا تھا، لیکن خدا نے انسان سے اس کی قدرت سلب کرلی ہی، قرآن اگر معجزہ ہے تو کس حیثیت سے پیشینگوئی کی حیثیت سے یا عبارت کی حیثیت سے، قرآن کیونکر کلام الٰہی ہے، وہ قدیم ہے یا حادث؟ اس کے الفاظ بھی قدیم ہین، یا صرف معانی، جنت اور دوزخ کا وجود حقیقت مین بھی ہے یا اس سے مجازی معنی مراد ہین، اگر حقیقی مراد ہین تو اس وقت موجود ہین یا نہین، قیامت مین وہ رہینگی یا فنا کردی جائینگی، جس کے دل مین ذرا بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ مین داخل ہوگا یا نہین، قبر مین بندہ پر عذاب ہوتا ہے یا نہین، دوزخ مین کفار سب ایکبار جلینگے یا بار بار، خدا کو محال پر قدرت ہی یا نہین؟ وہ ظلم کرسکتا ہے یا نہین، اور آخر یہ کہ نعوذباللہ جھوٹ بول سکتا ہی یا نہین؟

امامت کا سلسلہ ہم نے چھیڑا نہین کہ اس سے پھر ایک اور تسلسل پیدا ہوگا،

یہ اور ان کے علاوہ سیکڑون مزخرفات مسائل کی صورت مین پیدا ہوئے اور جس کی عقل نے جو بات کہی وہ ایک گروہ کا مذہب قرار پاگئی، چنانچہ یہ تمام مسائل مختلف فرقون مین نفیاً یا اثباتاً اصول مذہب مین داخل ہین، یہ اختلافات صرف زبان اور دلائل تک محدود نہ رہے، بلکہ بارہا دست و گریبان تک نوبت پہنچی، تیسری صدی ہجری

اشعریت پیدا ہوئی جس نے محدثین اور فقہا مین بھی حسن قبول پیدا کیا کہ اس کا مسلک عقل و نقل اور معتزلہ اور ظواہر کے بیچ بیچ مین تھا اس نے ایک طرف باقلانی، ابن فورک غزالی اور رازی کے زور بیان سے اور دوسری طرف ملک شاہ سلجوقی، سلطان محمود غزنوی، سلطان صلاح الدین ایوبی، اور محمد بن تومرت موحدی (اسپین) کی تلوار دبے سے وہ قوت حاصل کی کہ تمام فرقے اس کے سامنے دب گئے تاہم بغداد کی سرزمین جب تک شاداب رہی، حنابلہ اور اشاعرہ جن مین سے ہر ایک کتاب وسنت پر عمل و ایمان کے تنہا دعویدار تھے کبھی ان کے باہمی فتنون سے خالی نہ رہی،

۶

اسلام کے مختلف فرقون کی پوری روداد اب تمہارے سامنے ہے، غور سے پڑھو اور دیکھو کہ ان اختلافات کا اصلی مبنیٰ اور اون کی پیدائش کے اصلی اسباب کیا تھے؟ یہ تھے کہ اسلام کی عملی زندگی کو چھوڑ کر صرف تخیل کی زندگی اونھون نے بسر کرنی چاہی،

اسلام مین اختلافات کی جو بنیاد پڑی جب تک ان مین عجمی عنصر غالب نہ ہوا وہ عمل اور زندگی کی جنگ تھی، وہ مذہب کی آمیزش بغیر خالص سیاسی اور پولیٹکل جنگ رہی، جس کے فیصلے کئی بار تلوار سے چاہے گئے، عجمیت کے عنصر نے پالٹکس کو مذہب کے پردے مین چھپا دیا اور تلوار کی جگہ تشکیک، شبہات، استدلالات عام فریب، تاویل فاسد، اور تغیر عقاید نے لی، نتیجہ یہ ہوا کہ تلوار کی جنگ گو ناؤنھی اجسام کو فنا کر رہی تھی، لیکن قومی زندگی کی روح کو نہین فنا کر رہی تھی، قوم مین زندہ رہنے کا جوش و خروش تھا، لیکن خیال آرائی کے اس طرز جنگ نے زندگی کے اصل جوہر، مذہب کی اصل روح اور عمل کی اصلی قوت کو فنا کر دیا،

اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح عقائد اور عبادات دو عنصر سے مرکب ہے، مگر فرق یہ ہے کہ اسلام عقائد کی وسعت اور کثرت کا شائق نہین بلکہ اس کے رسوخ، استواری اور شدتِ اذعان کا طالب ہی، لیکن انسانیت کی بیمار فطرت ہمیشہ وسعت کی طرف جاتی ہی، خلاقِ فطرت کا فرستادہ اِس رمز سے آگاہ تھا، صحیح بخاری مین ہے کہ آپ نے فرمایا،

لن یبرح الناس تیساءلون حتے یقعالوا ھذا اللہ خالق کل شئی فمن خلق اللہ	لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے بحث و مناظرہ کرتے ہوئے یہانتک پہونچے کہ اچھا خدا نے سب چیزونکو پیدا کیا، پھر خدا کو کس نے پیدا کیا،

مسلم مین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک دن آپ نے آیت ذیل تلاوت فرمائی!

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ اٰیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ وَ اُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ اِبْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ	اس نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی جس مین کچھ آیتین محکم اور واضح ہین، وہ اصل کتاب ہین اور بعض متشابہ ہین جن کے دلون مین کجی ہی وہ متشابہ کے پیچھے پڑتے ہین فتنہ اُٹھانے اور اس کے مطلب کو حل کرنے کیلئے حالانکہ اسکا حقیقی مطلب خدا کے سوا کوئی نہین جانتا، اور جو لوگ علم مین پکے ہین وہ کہتے ہین، ہم اس پر ایمان لائے یہ سب خدا کی طرف سے ہی اور عقلمندون کے سوا کوئی عبرت نہین پکڑتا،

پھر فرمایا،

اِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَاُولٰئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّى اللّٰهُ فَاحْذَرُوْهُم،

جب ان لوگون کو دیکھو جو تشابہ کے پیچھے پڑتے ہین تو جانو کہ یہ وہی ہین جن کا خدا نے نام لیا ہو تو ان سے احتراز کرو،

اسی بنا پر صحابۂ کرام سے اگر کبھی کوئی ایسا فعل سرزد ہوتا جو اِس ارشاد کے خلاف ہوتا تو آپ سخت برہم ہوتے، ترمذی مین ابوہریرہؓ سے اور ابن ماجہ مین عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہی کہ ایک دفعہ آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ اصحاب ایک حلقۂ مجلس مین بیٹھے بحث و نزاع مین مشغول ہین، فرمایا کہ کس مسئلہ مین گفتگو کر رہے ہو؟ عرض کی مسئلہ تقدیر مین، یہ سنتے ہی آپ اکا چہرہ سُرخ ہوگیا، راوی کا بیان ہی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی نے چہرۂ مبارک پر انار کے دانے نچوڑ دیے ہین، آپ نے فرمایا کیا تم کو اسی کا حکم دیا گیا ہی، کیا تم اسی لیئے پیدا کیئے گئے ہو، کیا مین یہی پیغام دیکر بھیجا گیا ہون، قرآن کی ایک آیت کو دوسری آیت پر پٹکتے ہو، تم سے پہلے جو قومین تھین وہ اسی سے ہلاک ہوئین، مین بتاکید کہتا ہون کہ اس مین جھگڑا نہ کرو"

اِن احادیث سے ثابت ہوتا ہی کہ اسلام عقائد کی وسعت اور اون مین بحث و نزاع کا شائق نہین. وہ صرف اوس پیغام پر ایمان ویقین کا طالب ہی جو علی الاعلان تمام دنیا کو سناتا ہی جس کے سمجھنے مین نہ عرب کے بدوون اور افریقہ کے حبشیون کو تامل ہے اور نہ یونان کے حکیمون اور یورپ کے فلاسفرون کو، بخاری مین ہی کہ ایک دفعہ ایک صاحب کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا تھا، وہ احمق سی کوئی حبشیہ آنحضرت صلعم کی خدمت مین لائے اور دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہی؟ آپ نے اوس سے پوچھا کہ خدا کہان ہے؟ اوس نے آسمان کی طرف اونگلی اٹھادی، آپ نے اون صاحب سے فرمایا لیجاؤ یہ مسلمان ہے

اللہ اکبر! اسلام کی حقیقت پر کتنے پردے پڑگئے ہین، آپ اسلام کے لیے صرف آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھا دینا کافی سمجھتے ہین، لیکن ہمارے نزدیک آج کوئی مسلمان مسلمان نہین ہوسکتا جبتک نسفی کے تمام بندھے ہوئے عقائد پر حرفاً حرفاً آمنت نہ کہتا جائے،

(۷)

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ　　　چون ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

پہلی دو نشستون مین ہم یہ اچھی طرح واضح کرچکے ہین کہ مذہب کی اصلی اور حقیقی تصویر وہی ہی جو داعی مذہب کے علم و عمل اور اوس کی تعلیم و تلقین کا صحیح اور ہو بہو عکس ہو، پیغمبر کی ضرورت ہم نے اسی لئے تسلیم کی ہو کہ عقل انسانی زندگی کی اصلی گرہون کے کھولنے سے عاجز ہی، اسلئے رحمت الٰہی انسانیت کے ایک بلندترین پیکر کو روح القدس کے توسط سے انسانون کی رہنمائی کے لیئے بھیجتی ہی، وہ لوگون کو ہر قسم کے تلقینات سے مشرف کرتاہی، اون کو اون کی زندگی کے ہر شعبہ کے لیے تعلیمات دیتاہے، لیکن ما فوق الفہم اسرار جن کے سمجھنے کی حیات انسانی کو حاجت نہین اور اس کی عملی زندگی کے لیئے ان کا علم ضروری نہین، ان کو وہ اسی طرح سربستہ چھوڑکر آگے بڑھ جاتا ہے، اور ان کے متعلق وہ صرف یہ سکھاجاتا ہی،

وَلَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ،

اس کی تاویل خدا کے سوا کوئی نہین جانتا، اور جو علم مین راسخ اور پختہ ہین وہ کہتے ہین کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے،

اس بنا پر اگر ہم ان اعتقادات اور تعلیمات پر جو پیغمبر نے انسانون کے لئے ضروری سمجھے، اپنی عقل اور سمجھ سے کچھ اضافہ کرنا چاہتے، یا کچھ اس مین سے حذف کرنا یا بڑھانا

چاہتے ہین، یا جس گرہ کو جہانتک اس نے کھولکر چھوڑ دیا ہی، ہم اس کو اور کھولنا چاہتے ہین
تو درحقیقت ہم اصل نبوت کے ثبوت کے دعوی کو کمزور کر رہے ہین، اور عملاً ہم بتانا چاہتے
ہین کہ انسانیت کی تکمیل کے لیے پیغمبر کی حاجت نہین، بلکہ خود عقل انسانی ہماری رہبری
کے لیے کافی ہی، حالانکہ اس کا بطلان ہمارے نزدیک بدیہی الثبوت ہوچکا ہی،

غور کرو کہ مذہب کیا چیز ہے؟ اور اوس کی حقیقت کیا ہی؟، انسان کی عملی زندگی
کے لیے وہ چراغ راہ ہی، انسان اور اوس کی عملی زندگی کا تعلق تمام تر مادیات سے ہے،
اسلیۓ ماورا ے مادہ کی نسبت صرف وہین تک اس کو تعلق ہی جہان تک انسان کی
عملی زندگی کے لیے ضروری ہے، ہم اپنے مقصود کو اور زیادہ واضح کرنے کے لیۓ ذرا
تفصیل سے کام لیتے ہین،

مذہب مین دو چیزین ہوتی ہین، عقائد اور عبادات (معاملات بھی درحقیقت
عبادات ہین) دوسرے الفاظ مین ان کی یہ تعبیر ہوسکتی ہے کہ مذہب علم اور
عمل سے مرکب ہی،

علم کی دو قسمین ہین، ایک وہ جو مادیات سے ماخوذ ہے، اور اونھین سے وابستہ ہی،
اور اسکے متعلق ہم مین بذریعہ مشاہدہ اور تجربہ کے یقین پیدا ہوتا ہی، دوسرا وہ علم ہے جس کا
تعلق ماورائے مادہ سے ہے اور جس کے جاننے کا ذریعہ صرف تخیل، تصور، اور ظن ہی،
"آگ جلاتی ہی" یہ علم مادی ذریعۂ احساس سے ہم کو حاصل ہوا ہی، اسلیۓ ہم کو اس درجہ
یقین ہی کہ غلطی سے بھی ہم آگ مین کودنے کی ہمت نہین کرسکتے لیکن دوسرا علم یہ ہی کہ انسان
مرنے کے بعد پھر دوسرا جنم لیتا ہی، لیکن اس علم پر اعتماد کرکے کیا کوئی انسان اپنی زندگی کا
آپ خاتمہ کردینے پر تیار ہوگا؟

ہماری زندگی اسی عالم مادی سے تعلق رکھتی ہی، ہمارے اعمال اسی عالم مین ظہور
پذیر ہوتے ہین، افراد انسانی کی کامیابی اور ناکامی، قومین اور قومون کی ترقی و تنزل
عروج و زوال، انقلاب و تغیر غرض انسانیت کے جملہ مظاہر اور عالم کا تمام تر نظام ترقی
انھین یقینیات اور علوم قطعیہ پر مبنی ہین جنکا ماخذ ہمارے حواس ہین، اسی بنا پر ان علوم و مسائل اور معلومات کے پیچھے
پڑنا اور ان کی گرہ کشائی چاہنا جو ماوراے حواس ہین، اور جن کے ساتھ ہمارا علم متعلق نہین
ہوسکتا ہمارے لیئے بالکل بے سود ہی اور غیر مفید ہی،

ہمارا فلسفہ جس کا تعلق ماوراے مادہ سے ہی "وہ علم ظنی" ہے، سائنس کا اکثر حصہ ہمارے
گذشتہ تجربون اور مشاہدون کی بنا پر ایک حد تک درجہ یقینی رکھتا ہی، اب دیکھو کہ دنیا
ان دونون مین سے کس کی ممنون ہی؟ فلسفہ کی یا سائنس کی؟

یونان کے سب سے پہلے فلسفی تالیس سے لیکر بیکن کے عہد تک ڈھائی ہزار برس
مین فلسفہ دنیا کے لیئے کیا کار آمد ہوا لیکن سائنس نے دو تین سو برس کے اندر اندر
عالم مین ایک انقلاب پیدا کر دیا، اس بنا پر غیر مادی اور غیر محسوس اشیا کی نسبت یہ سوال کہ
وہ کیا ہین؟ اور کیونکر ہین؟ بالکل بے سود ہی، اور اس کی دلیل اس سوال کے حل مین
انسانی نسلون کی گذشتہ عہدیون اور قرنون کی ناکامی ہی، اسلیئے ہماری بحث و تحقیق کا
موضوع نفیاً یا اثباتاً غیر محسوس اشیا نہین ہوسکتین،

یہی وہ نکتہ ہی جس کو یورپ نے اب سمجھا ہے، اور جس کو اسلام نے اپنے آغاز
ظہور ہی مین وا انکشاف کر دیا تھا، لیکن افسوس ہی کہ اہل السنۃ کے سوا اسلام کے اور
فرقون نے اس کو محفوظ نہین رکھا، اور یہی آخر ان کی بے راہروی کا سبب ہوا، اس
تفصیل سے یہ ظاہر ہوگا کہ **اہل سنت** کے مذہب کا مدار اور مبنی یہ دو اصول ہین،

(۱) داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عقائد اور اعمال کے متعلق اپنی امت کو جو کچھ تعلیم و تلقین کی اوس مین ایک ذرہ زیادتی یا کمی نہین ہو سکتی،

(۲) عقائد یا خدا کی ذات اور صفات کے متعلق قرآن نے جو کچھ بیان کیا یا آپ نے جو کچھ بتایا، اور جس مسئلہ کی جس حد تک قرآن نے تشریح کی، صرف اوسی پر ایمان لانا واجب ہے، اپنی عقل و قیاس و استنباط سے اوس کی تشریح و تفسیر صحیح نہین، اور نہ اس پر ایمان لانا اسلام کی صحت کے لیئے ضروری ہے، بلکہ ممکن ہے کہ وہ گمراہی اور ضلالت کا موجب ہو،

اسلام کے تمام فرقے اگر ان دو اصولون پر قایم رہتے، تو یقیناً عقائد کے وہ عظیم الشان اختلافات رونما نہوتے، جس کے سیلاب نے ایک مدت مدیدہ سے کاشانۂ اسلام کے ارکان متزلزل کر رکھے ہین، خوب غور کرو گذشتہ مباحث مین مختلف فرقون کے جو مسائل اور معتقدات گنائے ہین، اون کی گمراہی کا سبب صرف یہی ہے، کہ اونھون نے ان امور کی تفصیل چاہی جن سے قرآن خاموش تھا اور جن کی تشریح خود آنحضرت صلعم نے ضروری نہین سمجھی، کہ اول تو وہ ان اسرار سربستہ اور عقدہ ہائے مشکل مین تھے جن کی تحلیل عقل انسانی کے فہم و ادراک سے باہر ہے، اور ثانیاً یہ کہ انسان کی عملی زندگی کے لیئے ان کا علم بے سود ہے،

— شریعت نے خدا کے متعلق یہ بتایا کہ وہ ایک ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا، وہ تمام صفتون کا مرکز ہے، اس کے بعد یہ بحث کہ وہ ایک کس حیثیت سے ہے، صفات کی مختلف قسمین ہین، کون سی صفتین اوس مین پائی جاتی ہین، یہ صفات اوس کی ذات مین داخل ہین یا اوس کی ذات سے الگ ہین، اگر الگ ہین تو قدیم ہین یا حادث، اگر قدیم ہین تو تعدد قدما لازم آتا ہے، حالانکہ قدیم صرف ایک ہی ہے، اگر حادث ہین تو خدا محل حوادث ہوگا

اور محل حادث خود حادث ہوتا ہی، اگر الگ نہین بلکہ ذات مین داخل ہین تو ذات کا جز ہوکر یا کل ہوکر، اگر ذات کا جز، ہے تو خدا کی ترکیب لازم آتی ہی، اور اگر کل ہے، تو عین ذات ہوگی، اس لحاظ سے اس کی ذات اور صفات مین سے ایک کی نفی لازم آئیگی، علم، قدرت، سمع، بصر، ارادہ وغیرہ مختلف صفات مختلف نہین، بلکہ متحد ہوجائینگی،

خدا کی نسبت ہاتھ، پاؤن، منھ اور قدم کے الفاظ کتاب وسنت مین آئے ہین، ان سے حقیقی معنی مراد ہین یا مجازی، خدا کی نسبت قرآن مین ہی کہ "وہ عرش پر برابر ہی[1]" اور یہ بھی ہے کہ "جدھر رُخ کرو اُدہر ہی خدا کا منھ ہے[2]"، یہ بھی ہی کہ "وہ تمھاری رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہی[3]"، تو آیا وہ کسی خاص جگہ مین ہی یا جگہ سے مبرا ہے، پہلی صورت مین اوسکا جسم ہونا لازم آتا ہی، اور دوسری صورت مین ایک خاص موجود ذات کی نسبت یہ کہنا کہ وہ ہر جگہ ہی ایک سنجیدہ حماقت ہی،

احادیث صحیحہ مین ہے کہ قیامت مین خدا نیک بندون کو نظر آئیگا، اگر یہ تسلیم کرلین تو لازم آئیگا کہ وہ جسم ہو، کسی خاص جگہ مین ہو، اور اگر نظر آنا تسلیم کرین تو انھین آنکھون سے وہ رویت ہوگی، یا کسی اور جدید حاسہ سے، ان آنکھون سے نظر آنا خدا کے لیے جسم، رنگ، تحدید، تعیین وغیرہ کو مستلزم اور آخری صورت مین موجودہ ذرائع احساس کے علاوہ کسی اور ذریعۂ احساس کا اعتقاد فہم سے بالاتر ہی،

شریعت مین اس قدر ہی کہ خدا نے عالم کو پیدا کیا، اور وہ اوس کا مخلوق ہی، اس کے بعد یہ مباحث کہ خداوند تعالیٰ اس کی علت کامل یا ناقص ہے، اگر علت ناقص یعنی غیر تامہ ہے تو عالم کی خالقیت کے لیے کسی اور شے کی شرکت بھی لازم آتی ہے،

---

[1] الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى [2] اَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ [3] نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ،

اور اگر علت کامل یعنی تامہ ہی تو علت تامہ اور معلول کا وجود ساتھ ساتھ ہوتا ہے، اس بنا پر عالم کو بھی قدیم ہونا چاہیئے،

قرآن نے بتایا ہی کہ بندون کے تمام افعال خدا کے حکم سے ہوتے ہین، اس کے بعد یہ سوالات کہ اس کا حکم ہی فعل کے وجود کا سبب ہوتا ہی، یا بندہ کے عمل کو بھی دخل ہوتا ہی، اگر دخل نہین تو بندہ کو مجبور محض کہنا ہوگا، اگر دخل ہی تو یہ دخل موثر ہے یا غیر موثر، اگر موثر ہی تو درحقیقت وہ اپنے فعل کا آپ خالق ہوا، اور اگر غیر موثر ہے تو دوسرے معنی مین جبر ہی،

یہ تمام مذکورۂ بالا مسائل اور اون کی جو تشقیقین کی گئی ہین وہ نفیًا یا اثباتًا کسی نہ کسی فرقہ کا معتقد علیہ اور مسلک ہین، لیکن تم نے دیکھا کہ عقلی تو ہم پرستی کے اعتراضات سے ان مین سے کوئی شق بھی بری نہین، یہ اعتراضات یا لوازم مستحیلہ، یا عقلی سرگردانیان کیون پیدا ہوئین، اسلئے کہ ہم قرآن کی یقینیات پر قناعت نہین کرتے، اور ان امور کی تشریح چاہتے ہین، جن کی تشریح سے عقل انسانی عاجز ہے اور ہماری عملی زندگی کے لیئے وہ غیر ضروری ہین،

اگر ہم اپنے معتقدات کے احاطہ کو اس دائرہ کے اندر کرلین جس کو وحی الٰہی کے پرکار نے سطح اسلام پر کھینچا ہے، تو یہ حصار ہمارے لیئے یقینًا قلعہ روئین کا کام دیگا، اور ہم ان بہت سے خدشون اور حملون سے محفوظ ہوجائینگے، جو قرآن کی تصریحات کے سبب نہین بلکہ خود ہمارے عقلی تفصیلات کے باعث ہم پر عائد ہوتے ہین، اور غلطی سے ہم اونکا مستوجب اپنے مذہب کو قرار دیتے ہین، تمام فرق اسلامیہ سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ عقل اور فلسفہ نے جس امر کے متعلق بھی کوئی جواب چاہا اونھون نے اپنے

ناخن تدبیر سے اس کو حل کیا، اور نفیاً یا اثباتاً اس کو داخل مذہب کر لیا،

اشاعرہ سے بہت کچھ ہم کو امیدین ہوسکتی تھین، لیکن یہ دیکھکر کس قدر افسوس ہوگا کہ اس غلطی عام سے وہ بھی اپنے کو محفوظ نہ رکھ سکے، یہانتک کہ خالص فلسفیانہ مسائل جن کو مذہب سے ایک ذرہ تعلق نہین، مثلاً جزء الذی لایتجزی کی بحث، طفرہ کا مسئلہ، رویت کے اسباب، استطاعت مع الفعل کی بحث وغیرہ اس کو بھی اونھون نے کفر اور اسلام کا معیار قرار دے لیا ہی، اگر آج ہمارے عقائد کی کتابون کی چھان بین کیجائے تو نصف سے زیادہ اوراق انھین مباحث سے مملو ہونگے، حالانکہ حق یہ تھا کہ جن مسائل سے اسلام خاموش تھا وہ نفیاً یا اثباتاً عقائد مین داخل ہی نہ ہوتے، اور مذہبی حیثیت سے ان سوالات کا جواب سکوت تھا کہ اگر وہ مذہب کے ضروری جزء تھے تو شارع ان کے بیان سے خاموش نہ رہتا، اور جب وہ خاموش رہا تو معلوم ہوا کہ وہ مذہب سے متعلق نہین، اور نہ اونکا جاننا ہمارے لیے مذہبًا ضروری ہی،

الغرض اہل السنتہ نے جو صراط مستقیم اختیار کیا وہی درحقیقت اس طوفان افکار اور طغیان خیالات کی حالت مین سفینۂ نوح ہوسکتا تھا، لیکن یہ کس درجہ افسوسناک امر ہے کہ دو سو برس کے بعد تیسری چوتھی صدی مین جب مسلمانون مین فلسفہ نے عروج حاصل کر لیا اور ممالک اسلامیہ کے در و دیوار سے اس کی آواز بازگشت آنے لگی، خود اہل السنتہ میں سے چند افراد اوٹھے اور قدیم شاہراہ کو چھوڑ کر اونھون نے اہل السنتہ اور دیگر فرقون کے درمیان ایک نیا راستہ پیدا کیا، اور عقل و نقل اور فلسفۂ و سنت کے درمیان ایک متذبذب صورت طریقہ کو اپنا مسلک قرار دیا، اونھون نے یہ سمجھا کہ اس طریقہ سے وہ عقل و نقل اور فلسفہ و شریعت کی تطبیق مین نہ تو معتزلہ کی طرح قرآن و سنت سے دور پڑ جائینگے، اور نہ ارباب ظواہر

اور محدثین کی طرح عقلاے فلسفہ کے لئے قابل مضحکہ رہین گے، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اون کے معتقدات و مسائل نہ تو اصل قرآن و سنت کے مطابق ہی رہے، اور نہ عقل و فلسفہ کے دربار ہی مین وہ رسوخ پا سکے،

مثلاً ایک طرف تو اونھون نے معتزلہ کے ساتھ ہو کر خدا کی جسمیت سے انکار کیا، اور ان آیتون مین جن مین ہاتھ اور منھ کا ذکر تھا تاویل کی، اور دوسری طرف ظاہریہ کے ساتھ خدا کی رویت کا اقرار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ نہ وہ اہل السنتہ کا ساتھ دے سکے اور نہ فلسفہ کی معیت برقرار رہ سکی، اون کو بدیہیات کا انکار کرنا پڑا کہ رویت کے لئے مرئی کا جسم ہونا، متحیز ہونا، ذی لون ہونا، آنکھ کے سامنے ہونا، اس سے ایک مسافت پر ہونا، ضروری نہین، ایک اور مسئلہ مین یعنی مسئلہ جبر و قدر مین اونھون نے اسی قسم کا توسط اختیار کیا، ایک طرف تو یہ کہا کہ تمام افعال کا خالق خدا ہی، یہ کہکر گویا اپنے کو معتزلہ اور قدریہ سے الگ کیا، دوسری طرف انسان کے لئے کسب ثابت کیا کہ جبر نہ لازم آئے، لیکن جب یہ سوال کیا گیا کہ کیا یہ کسب فعل کے وجود کے لئے موثر بھی ہے؟ تو جواب نفی مین دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جبریہ سے کچھ زیادہ اچھے نہین رہے،

استاذ مرحوم نے خوب کہا ہی،

دو دل بودن درین رہ سخت تر عیب است سالک را ۔۔۔ خجل ہستم ز کفر خود کہ دارد بوئے ایمان ہم

(۸)

جس طرح اسلام مین بہت سے ایسے فرقے ہین جو درحقیقت دائرۂ اسلام مین داخل نہین، اسی طرح بہت سے ایسے فرقے بھی ہین جو خود کو اہل السنتہ کہتے ہین لیکن حقیقۃً وہ ان مین سے نہین ہین، سبب یہ ہے کہ قدماے اہل السنتہ نے جو اصول قرار دئیے تھے،

دیگر عقل پرستون کے اعتراضات سے مرعوب ہوکر متاخرین نے ان مین صریح تحریف کی اور صحیح راستہ سے انحراف کیا، اور با این ہمہ وہ اپنے کو اہل السنتہ سمجھتے ہین، بلکہ لفظ اہل السنتہ کا صحیح مخاطب صرف اپنے ہی کو جانتے ہین،

تیسری چوتھی صدی سے اہل السنتہ مین عظیم الشان شاخون مین منقسم ہین، **اشاعرہ، حنابلہ،** اور **ماتریدیہ**، اشاعرہ امام ابو الحسن اشعری المتوفی سنہ ۳۲۴ھ کی طرف منسوب ہین، اور امام شافعیؒ کے عقائد کے شارح سمجھے جاتے ہین، اسلئے تمام شوافع اشعری ہین، حنابلہ اپنے کو احمد بن حنبلؒ کا پیرو کہتے ہین، ماتریدیہ، امام ابو منصور ماتریدی کے پیرو ہین، جو بچند واسطہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے، اسلئے احناف نے عقائد مین ان کو اپنا امام مانا،

یہ فرقے جن بزرگون کو اپنا بانی اور امام سمجھتے ہین، یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ صحیح اسناد کے روسے ان کی کوئی تصنیف عقائد مین ثابت نہین ہے، جستہ جستہ جو ان کے اقوال ملتے ہین وہ قدماے اہل السنتہ اور سلف صالح کے مطابق ہین، بہرحال متاخرین اہل السنتہ سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ ان مسائل کے متعلق جن سے شریعت خاموش تھی اون کو حوالۂ علم آلہی کرنے کے بجائے اون کی نسبت دیگر فرقون کی طرح ادعائی پہلو اختیار کیا اور بہت سے فلسفیانہ مسائل کو جن کو شریعت سے اصلا تعلق نہ تھا، اون کو داخل عقائد کر دیا،

حنابلہ سب سے زیادہ اہل السنتہ ہونے کے مدعی ہین، اور اشاعرہ کو اسی طرح وہ گمراہ جانتے ہین جس طرح اشاعرہ، معتزلہ کو، چنانچہ بغداد مین حنابلہ اور اشاعرہ کی معرکہ آرائیان بدر و حنین کے جوش جہاد کو زندہ کرتی تھین، اعاذنا اللہ،

ماتریدیہ اپنی تصنیفات مین مثلاً عقیدۂ بزدوی اور تمہید ابو سالم وغیرہ مین اپنے کو اشاعرہ کے مقابلہ مین تنہا اہل السنۃ کہتے ہین، یہی حال اشاعرہ کا ہی، اور واقعہ یہ ہی کہ اگر تصریحات سلف سے ان متاخرین کے خیالات کو ملایا جائے تو معلوم ہو جائے،

کہ یاران دیگرے رامی پرستند

ظاہریہ اور حنابلہ کا یہ کہنا کہ خدا آسمان پر ہی اور تخت پر بیٹھا ہی، اور جہمیہ اور معتزلہ کا، جن کے ساتھ کہ **اشاعرہ** اور ماتریدیہ وغیرہ مدعیان سنت بھی ہم نوا ہین یہ کہنا کہ خدا کسی مکان مین متمکن نہین ہی اور تعین جہت سے پاک ہی، شریعت کے حدود سے متجاوز ہونے مین دونون برابر ہین، مجسمہ کا یہ قول کہ خدا کے جسم ہی، اوس کے ہاتھ، پاؤن، اور منھ ہے، اور معتزلہ کے ساتھ اشاعرہ و ماتریدیہ کا یہ اعتقاد کہ وہ نہ جسم ہے نہ جوہر ہے نہ عرض ہے نہ متشکل ہے نہ متصور ہی، کتاب و سنت کی دلالت نص سے دونون خالی ہین، کرامیہ کا تمام صفات کو حادث کہنا اور معتزلہ کا یہ اعتقاد کہ کلام الٰہی حادث ہی، سرمایۂ بدعقیدگی اور مخزن صدگونہ کفر سمجھا جاتا ہی، لیکن اشاعرہ اگر صفات اضافی مثلاً صفت خلاقی و رزاقی کو ازلی اور قدیم نہ کہین تو کیون ان کو بھی بُرا نہ کہا جائے، کہ شریعت جس طرح اول و ثانی سے خاموش ہی ثالث کی بھی اس نے تصریح نہین کی ہے، اسی طریقہ سے معتزلہ کا یہ قول کہ صفات عین ذات خدا ہین، حنابلہ کا یہ اعتقاد کہ صفات غیر ذات ہین اور اشاعرہ اور ماتریدیہ کا یہ خیال کہ وہ نہ عین نہ غیر ہین، اصل شریعت سے عدول اور خروج مین تینون برابر ہین کہ ان مین سے شریعت نے کسی کی تصریح نہین کی ہی جبریہ کا یہ قول کہ انسان جمادات اور نباتات کی طرح مسلوب الاختیار ہے قدریہ کا یہ کہنا کہ وہ ہر طرح سے کامل الاختیار ہی، اشاعرہ کا یہ بیان کہ ہمارے کسب کو

بھی اس کے اندر دخل ہی، لیکن اس فعل پر ہمارے کسب کا کوئی اثر نہین بلکہ براہ راست خدا ہکا دہ فعل ہی، ماتریدیہ کا یہ خیال کہ خدا کے خلق کے ساتھ ہمارے کسب کو فعل مین بھی دخل ہی، جس کے یہ معنی ہین کہ ہر فعل کے بندہ اور خدا دونون مشترک طور سے خالق ہین، یہ چارون خیالات اصل شریعت سے دوری مین یکسان ہین،

قرآن مجید کو معتزلہ مخلوق اور حادث کہتے ہین، اور اس کی بناپر اس زمانہ کے ظاہر بین محدثین نے اون کو کافر کہا، اور علی الرغم یہ اعتقاد ظاہر کیا کہ قرآن نہ صرف معنوی حیثیت سے بلکہ اس کے الفاظ تک غیر مخلوق اور حادث ہین، دلیل سنئے کہ قرآن مین اللہ کا نام ہے، کیا اللہ مخلوق اور حادث ہی؟ اور جو اس کو مخلوق اور غیر حادث کہے وہ کافر نہین تو اور کیا ہی؟ آخر انھین مین سے متاخرین یعنی اشاعرہ اور ماتریدیہ نے اس احمقانہ دلیل کو قابل مضحکہ سمجھکر رد کر دیا، اور ایک فلسفیانہ تدقیق پیدا کر کے یہ تفصیل کی کہ کلام کا ایک مفہوم ہوتا ہی، جو متکلم کے دل مین ہوتا ہی، اور ایک الفاظ کا مجموعہ ہی جس کے ذریعہ سے اصل مفہوم اور کلام دلی کی تعبیر ہوتی ہے، اوّل قدیم ہے، اور غیر مخلوق اور ثانی حادث اور مخلوق ہے،

لیکن اسی زمانہ مین جو لوگ اہل نظر اور خالص کتاب و سنت کے پیرو تھے اونھون نے اس عامیانہ شور و غل کی پروا نہ کی، اور نہ معتزلہ کے جوش مخالفت مین صدق اور راستی کا سررشتہ ان کے ہاتھ سے چھوٹا، اونھون نے صاف کہا، قرآن خدا کا کلام ہی اور بس! نہ ہم خالق کہینگے نہ مخلوق، یہ بالکل صحیح جواب تھا کہ اصل شریعت کے روسے اس کو مخلوق کہنا جس طرح شر ہے غیر مخلوق کہنا اس سے کم نہین،

ان تصریحات سے واضح ہوگا کہ تارکین سنت اور متاخرین اہل سنت جنھون نے

معتزلہ اور دیگر عقل پرست فرقون سے مرعوب ہوکر قدمائے اہل سنت کے اصول مین ترمیم کی اور اپنے مذہب کو قواعد عقلی کے مطابق بنانے کی کوشش کی نتیجہ کے رو سے ان دونون مین بہت ہی کم فرق ہی، اور درحقیقت ان متاخرین کے اقوال کو سلف صالح اور اہل سنت کے عقائد اور خیالات سے کوئی واسطہ نہین ہے اور اگر ہے تو صرف اسیقدر جس قدر وہ کتاب وسنت سے قریب ہین،

جب ایک مسئلہ کے متعلق شریعت نے کچھ نہین بتایا اور نہ اس کا جاننا اور اس کی اپنی عقل سے تفصیل کرنی مدار ایمان بتایا، اور نہ کسی حیثیت سے داعی اسلام نے اپنے مومنین سے اس پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا، اس کے متعلق تمھارا نفیاً یا اثباتاً کوئی بھی پہلو اختیار کرتا اور اس کو اسلام کا مبنیٰ قرار دینا کیا حقیقت رسی ہی؟ کیا اس بارہ مین تمھارا فعل دوسرے فرقون کے فعل کے مقابلہ مین کچھ زیادہ مستحسن ہوگا؟ اگر ان گرہون کے کھولنے کے لئے تمھاری عقل رہبر بن سکتی ہی تو تم آگے بھی بڑھ سکتے ہو، اور نعوذ باللہ پیغمبرون کی آمد وبعثت سے مستغنی بھی بنا سکتے ہو،

آنحضرت صلعم کے دست مبارک پر تقریباً ایک لاکھ نفوس قدسیہ نے ایمان واسلام کی بیعت کی، لیکن کیا تم کو وہ دفعات معلوم ہین جن پر اون کے ایمان اور اسلام کی بنا تھی کیا تمھارے پیدا کردہ سیکڑون عقائد کلامی مین سے ایک بھی اون کے سامنے پیش کیا گیا، اگر نہین تو اپنے خود ساختہ اصول کی حیثیت سے نعوذ باللہ تم اون کو کیا کہوگے، اونکا ایمان صرف یہ تھا جس کو سورہ بقر کے اول وآخر مین بیان کیا گیا ہی،

آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ	پیغمبر جو کچھ اوس پر اوس کے خدا کی طرف سے اُترا
رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ	اوس پر ایمان لایا، اور تمام مومنین، ہر ایک، خدا پر

بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (بقرہ آخر)	ایمان لایا، اوس کے تمام فرشتون پر اوس کی تمام کتابون پر اوس کے تمام پیغمبرون پر ہم اوس کے پیغمبرون مین سے کسی مین تفریق نہین کرتے۔
يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ، (بقرہ اول)	(متقی لوگ) جو کچھ تجھ پر اُترا اور تیرے پہلو ن پر اُترا ایمان لاتے ہین اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہین،

اِس قسم کی اور بہت سی آیتین ہین جن مین خدانے بتایا ہے کہ کن چیزون پر ایمان لانا ضروری ہے جب کوئی شخص قرآن پر ایمان لایا تو اوس کے اندر جو کچھ ہی اجمالاً یا تفصیلاً اون سب پر ایمان لایا، خدا کے جو صفات اُس مین مذکور ہین، کتب الٰہی، ملائکہ اور پیغمبرون کے متعلق اوس مین جو کچھ ہی، قیامت، حشر ونشر، دوزخ و بہشت کی نسبت جو حالات اوس مین مذکور ہین، یہ تمام چیزین اوس کے اندر داخل ہوگئین، چنانچہ قدمائے اہل سنت اور سلف صالح کا اعتقاد یہ تھا کہ اون مین سے ہر چیز پر ایمان اسی حیثیت سے اور اسی حد تک لانا ضروری ہی، جہان تک قرآن مجید نے اس کا مطالبہ کیا ہی، یا جہان تک سنت صحیح اور متواتر نے ثابت کر دیا ہی، کیونکہ یہ متفق طور سے ثابت ہی کہ عقائد کا ثبوت صرف قرآن مجید سے ہوسکتا ہی اور احادیث مین سے صرف ان حدیثون سے جو بذریعہ تواتر مروی ہین خبر آحاد مستلزم یقین نہین ہے، اسلئے وہ یقینیات کا مبنیٰ نہین قرار پا سکتی، اور ایمان یقینیات کا نام ہے،

اِس نکتہ کو ملحوظ نہ رکھنے کے سبب سے ظاہریہ اور عام محدثین سخت غلطی مین مبتلا ہوئے ہین اونھون نے رطب و یابس اور احاد و متواتر کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، اور

کہتے ہین کہ اِس پر ایمان لاؤ، مثال کی طور پر بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات دیکھو، حالانکہ یہی کام اگر احتیاط سے عمل مین لایا جاتا تو درحقیقت محدثین ہی کا علم کلام اسلام کا علم کلام ہوسکتا تھا،

(۹)

شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد

کل کی نشست مین ہم نے بتایا تھا کہ قدماے اہل السنتہ کے یہ دو اصول تھے،

(۱) آنحضرت صلعم عقائد اور اعمال کے متعلق اپنی امت کو جو کچھ تعلیم و تلقین فرما گئے، اوس پر ایک ذرہ کا اضافہ یا اس سے ایک ذرہ کی کمی نہین ہوسکتی،

(۲) خدا کی ذات و صفات و دیگر عقاید کے متعلق قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہی یا پیغمبر سے بتواتر جو کچھ ثابت ہی، اور اون کی نسبت اجمالاً یا تفصیلاً جو کچھ اور جس حد تک اونھون نے تفسیر و تشریح کی ہی اسی پر ایمان لانا واجب ہی، اپنی عقل و قیاس اور استنباط سے تفسیر و تشریح کرنی صحیح نہین اور نہ اس پر ایمان لانا ہمارے ایمان کا جزو ہی،

یہ دو اصول ایسے ہین جن کے اثبات کے لئے کسی مزید دلیل کی حاجت نہین، کیونکہ جیسا ہم اس سے پہلے کہہ چکے ہین کہ یہ اکثر ایسے مسائل ہین جن کی نسبت عقل کا نفیاً یا اثباتاً ہر قسم کا فیصلہ ناقابل لحاظ ہی کہ یہ حدود اس کے دسترس سے باہر ہین، اور اسی لئے ہم کو ایک پیغمبر کی ضرورت ہی جو ہمارے دسترس سے باہر کی چیزون کو ہمارے حق مین جہان تک مفید و نافع ہو تعلیم دے، اور جب یہ مقدمہ صحیح ہے تو ان مسائل کی خالص عقل کے رو سے تفسیر یا اضافہ یا اسقاط درحقیقت اپنے پہلے دعوی کا ابطال ہی،

لیکن اس قیاس کو چھوڑ کر ہم کو قرآن و سنت سے اِن اصولون کی صحت ثابت

کرنی چاہئیے، اس کے لئے ہم اپنے دو ستون نو اپنی پہلی اور دوسری نشست کی تقریرین یاد دلاتے ہین، جن مین قرآن و سنت سے اس اصول کو ثابت کیا گیا ہے، آج کے جلسہ مین ائمہ سلف اور قدمائے اہل السنتہ کے اقوال سے دکھانا ہے کہ ان رسمی فرقون کے پیدا ہونے سے پہلے اہل السنتہ کے کیا معنی تھے،

امام مالک بن انس اہل السنتہ کا عقیدہ بتاتے ہین،

الکلام فی الدین اکرھہ ولا یزال	عقائد مین گفتگو کرنا ناپسند کرتا ہون، اور ہمیشہ
اھل بلدنا یکرھونہ وینھون	ہمارے شہر (مدینہ) کے علما اس کو ناپسند کرتے ہے
عنہ نحو الکلام فی رای جھم	ہین اور اس سے روکتے رہے ہین مثلاً جہم کی رائے
والقدر وما اشبہ ذالک وما	اور قدر مین گفتگو کرنا،
احب الکلام الا فیما تحتہ عمل	مین بحث و مباحثہ ان امور مین ناپسند کرتا ہون
فاما الکلام فی دین اللہ و فی	جن کے تحت مین کوئی عمل ہو، لیکن خدا کے عقائد
اللہ عزوجل فالسکوت	اور خود خدا کی ذات مین سکوت میرے نزدیک
احب الی لانی رأیت اھل	پسندیدہ ہے کیونکہ ہم نے اپنے شہر کے علما کو دیکھا ہے
بلدنا ینھون عن الکلام فی	کہ عقائد مین گفتگو کرنے سے دور رکتے تھے، اور ان
الدین الا فیما تحتہ عمل (جامع بیان العلم ابن عبدالبر)	امور مین کرتے تھے جن کو عمل سے تعلق ہو،

امام موصوف نے نہ صرف یہ اپنا اصول بتایا، بلکہ اپنے تمام پیشرو ون کا طریقہ یہی بتایا اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سلف کی زندگی کی اصلی روش، عمل تھا تخیل نہین، وہ صرف ان امور مین گفتگو کرتے تھے جن پر عملاً بھی ہم کو کاربند ہونا ہے،

امام بخاری خلق افعال العباد مین سلف صالحین کا مذہب لکھتے ہین،

وانهم كرهوا البحث والتنقيب عن الاشياء الغامضة وتجنبوا اهل الكلام والخوض والتنازع الا فيما جاء فيه العلم او بينه رسول الله صلعم

انھون نے ان مشکل مسائل مین بحث وگفتگو کرنا ناپسند کیا اور جو لوگ اون مین گفتگو غور اور تنازع کرتے تھے اون سے پرہیز کیا، لیکن جن مسائل مین علم (خدا کیطرف سے) آیا ہی یا آنحضرت صلعم نے اوس کو بیان کردیا ہی، اس مین اونھون نے غور و فکر اور بحث کی،

امام ترمذی ائمہ سنت کا اصول بتاتے ہین۔

والمذهب في هذا عند اهل العلم من الائمة مثل سفيان الثوري ومالك بن انس وسفيان بن عيينه وابن المبارك ووكيع وغيرهم انهم رووا هذه الاشياء وقالوا نروي هذه الاحاديث ونؤمن بها ولا يقال كيف وهذا الذي اختاره اهل الحديث ان يرووا هذه الاشياء كما جاءت ويؤمن بها ولا تفسر ولا يتوهم ولا يقال كيف وهذا امر اهل العلم الذي اختاره وذهبوا اليه،

ائمہ اہل علم جیسے سفیان ثوری، مالک بن انس، سفیان بن عینیہ، عبد اللہ بن مبارک وغیرہ کا اس بارہ مین مذہب یہ تھا کہ اونھون نے ان چیزون کی روایت کی اور کہا ہم ان حدیثون کی روائیت کرتے ہین اور اون پر ایمان رکھتے ہین، اور یہ نہین کہا جائے کہ یہ کیون کر ہے، اور اسی مذہب کو اہل حدیث نے اختیار کیا ہی کہ ان باتون کی روایت کردین جس طرح وہ آئی ہین، اور ان پر ایمان رکھا جائے، اور اون کی تفسیر نہ کیجائے اور نہ وہم کیا جائے اور نہ "کیسے" کہا جائے، اہل علم کا یہی مذہب ہے، اور اسی کو پسند کیا ہے،

محدث ابن عبد البر قدماے اہل سنت کا مسلک بتاتے ہین،

لان الله عز وجل لا يوصف عند الجماعة اهل السنة الا بما وصف به نفسه او وصفه به رسوله او اجتمعت الامة عليه وليس كمثله شيء فيدرك بقياس او بامعان نظر وقد نهينا عن التفكر في الله وامرنا بالتفكر في خلقه الدال عليه،

(جامع بيان العلم ص ۱۵۱ - مصر)

اسلئے کہ خداے پاک کا وصف، جماعت یعنی اہل السنۃ کے نزدیک وہی ہوسکتا ہی جس کو خود خدا نے بیان کیا ہو یا اوس کے رسول نے یا تمام امت نے اوس پر اجماع کرلیا ہے خدا کی مثل کوئی شے تو ہے نہین پھر قیاس یا غور و فکر سے وہ کیونکر دریافت کیا جاسکتا ہے ہم کو خدا کی ذات مین فکر کرنے سے منع کیا گیا ہی، اور اوس کی مخلوقات و مصنوعات مین غور و فکر کا حکم دیا گیا ہی جو خدا کے وجود و ہستی پر دال ہین،

امام بیہقی علماے سنت کا متفق علیہ اصول بتاتے ہین،

فاما الاستواء فالمتقدمون من اصحابنا رضي الله عنهم كانوا لا يفسرونه ولا يتكلمون فيه كنحو مذهبهم في امثال ذلك،

لیکن عرش پر برابر ہونا، تو قدماے اہل سنت اس کی تفسیر نہین کرتے تھے اور نہ اس مین بحث کرتے تھے، جیسا کہ اون کا مذہب اس قسم کے اور مسائل مین بھی یہی ہے،

دارقطنی مین نہش خراسانی[1] کی روایت سے ایک حدیث ہی، کہ مکہ معظمہ کی مسجد خیف مین

---

[1] آخر کتاب الاشربہ، نہش گو ضعیف راوی ہو اسلئے ممکن ہو کہ یہ حدیث آنحضرت تک صحیح نہو لیکن کم ازکم اس سے اس کے زمانہ کا حال معلوم ہوتا ہی وہ تبع تابعین کے زمانہ مین تھا،

ضحاک بن مزاحم، حسن بن ابی الحسن، طاؤس یمنی، مکحول شامی عمرو بن دینار مکی جو اپنے اپنے خطہ کے امام اور مشہور محدث اور تابعی تھے جمع ہوئے، اور قدر مین گفتگو مین شروع ہوئین طاؤس جو سب مین مقبول تھے بولے، ذرا آپ لوگ چپ رہئے تو مین حضرت ابو درداؓ کی حدیث آپ کو سناؤن، آنحضرت صلعم نے فرمایا ہی،

ان الله افترض علیکم فرائض	خدا نے چند باتین فرض کی ہین، اون کو ضائع نکرو
فلا تضیعوها وحد لکم حدود	اور تمھارے لیئے کچھ حدود قایم کردیئے ہین اون سے بچاؤ
فلا تعتدوها ونهاکم عن اشیاء	نہ کرو، اور چند باتون سے منع کیا ہی اون سے باز
فلا تنتهکوها وسکت عن اشیاء	رہو، اور بغیر بھول چوک کے بعض باتون
من غیر نسیان فلا تکلفوها رحمة	سے وہ خاموش رہا اون اون مین زبردستی کرکے
من ربکم فاقبلوها،	کوشش نکرو، خدا کی رحمت ہی اس کو قبول کرو

حافظ ابن حجر نے اس موقع پر جو تقریر کی ہے وہ سننے کے قابل ہے فرماتے ہین،

ان مسائل مین تاویل کرنا آنحضرت صلعم سے اور نہ کسی صحابی سے، صحیح طریقہ سے مروی ہی، اور نہ اس بات کی ممانعت آئی ہے کہ ان مسائل کو بیان نہ کیا جائے، آنحضرت صلعم کو خدا کی طرف سے حکم تھا کہ جو کچھ تمپر نازل ہو وہ لوگون کو پہنچاؤ، یہ بھی خدا نے فرما دیا کہ الیوم اکملت لکم دینکم "آج اے مسلمانو! مین نے تمھارا دین کامل کر دیا"، اور باوجود اس کے آپ ان مسائل کا ذکر نہ فرماتین یہ محال ہی اور اس کی تمیز نہو سکے کہ خدا کی طرف کن صفات کی نسبت ہو سکتی ہے، اور کن کی نہین ہو سکتی؟ حالانکہ آپ نے تمام صحابہ کو تاکید فرما دی تھی کہ جو لوگ

آپ کے سامنے موجود ہون وہ آپ کے احکام اون لوگون تک پہنچا دین جو موجود نہین، یہان تک کہ اسی بنا پر آپکی ایک ایک بات، ایک ایک کام، ایک ایک حالت، اور ایک ایک واقعہ جو آپ کے سامنے ہوا اوس کو بیان کر دیا، اِس سے ثابت ہوتا ہی کہ انکا اس امر پر اتفاق تھا کہ ایمان اسی طرح لانا چاہیئے جس طرح خدا چاہتا ہی،

حافظ صاحب کا مقصود یہ ہی کہ خدا نے اپنے دین کے متعلق جو کچھ کہنا تھا وہ اپنے پیغمبر کی زبانی انسانون تک پہنچا دیا، صحابہ نے آپ سے جو کچھ سنا وہ اپنے بعد والون تک پہنچا دیا، یہ مسائل اگر مذہب مین داخل ہوتے تو ضرور ان کی تعلیم ہوتی،

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہین،

خدا اس سے بالا اور برتر ہے کہ وہ عقل یا حواس سے دریافت ہو سکے، یا اس مین صفتین اس طرح موجود ہون کہ جس طرح عوارض، جو ہر مین ہو کر پائے جاتے ہین، یا وہ اس طرح ہون جن کو عام عقلین ادراک کر سکین یا متعارف الفاظ اون کو ادا کر سکین، با اینہمہ یہ بھی ضروری ہی کہ لوگون کو بتا بھی دیئے جائین، تا کہ جہان تک انسانیت کی تکمیل ہو سکتی ہی ہو جائے، ایسی حالت مین اِس سے چارہ نہین کہ ان صفتون کا استعمال ان معنون مین کیا جائے کہ اون کے نتائج اور لوازم سمجھ لیے جائین، مثلاً ہم خدا کے لیئے "رحمت" ثابت کرتے ہین اس سے مقصود احسانات کا فیضان ہے، دل کی خاص کیفیت نہین (جس کو اصل مین رحمت کہتے ہین) اسی طریقہ سے خدا کی وسعتِ قدرت کے اظہار کے لیئے مجبوراً ہم کو وہ الفاظ استعارۃً استعمال کرنے پڑینگے جو انسانون کی

قدرت و قوت کے لیئے بولے جاتے ہین، کیونکہ ان معانی کے ادا کرنے کے لیۓ ہمارے پاس اس سے بہتر الفاظ نہین، اور اسی طرح تشبیہًا بہت سے الفاظ بولے جائینگے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان سے حقیقی معنی مراد نہون، بلکہ وہ معانی جو خدا کی ذات کے لائق اور مناسب ہین..... تمام آسمانی مذہب کا اس پر اتفاق ہے کہ صفات اسی طریقہ پر بولے گئے ہین، اور اس پر کہ یہ الفاظ اسی طرح بولے جائین و راسکے علاوہ کوئی اور بحث و کاوش نہ کی جائے، اور یہی مذاہب اس زمانہ کا تھا جس کے خیر و برکت کی شہادت دی گئی ہے، (یعنی تبع تابعین کے عہد تک) اس کے بعد کچھ ایسے لوگ مسلمانون مین پیدا ہو گئے جنھون نے بغیر کسی نص قطعی اور دلیل مستحکم کے ان مسائل مین فکر و کاوش شروع کر دی،

شاہ صاحب اپنے وصایا مین جو فارسی زبان مین ایک رسالہ ہی لکھتے ہین،

اول وصیت این فقیر چنگ زدن است بکتاب و سنت در اعتقاد و عمل، پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن...... و در عقائد مذہب **قدماء** اہل سنت اختیار کردن و آنرا تفصیل و تفتیش انچہ سلف تفتیش نکردند اعراض نمودن و بتشکیکات خام معقولیان التفات نکردن،

اب ہم کو اپنے بیان کردہ گذشتہ اصول کلیہ کو جزئی مسئلون مین دکھا کر ثابت کرنا ہی کہ قدماے اہل سنت اور اس عہد کے اعتقادات ان مسائل مین کیا تھے، جن کو آنحضرت صلعم نے خیر و برکت کا زمانہ فرمایا ہے،

مسئلہ تقدیر یا جبر و قدر، اعتقادیات مین سب سے پہلے اسی مسئلہ مین گفتگو پیدا ہوئی، یہ ایک ایسا مسئلہ ہی جس کا جواب نہ صرف مذہب بلکہ فلسفہ کی زبان سے بھی مشکل ہی، یہ نہ صرف

اسلام کا مسئلہ ہی بلکہ دنیا کا کوئی مذہب اس سے خالی نہین، اور درحقیقت مذہب کی روح
اسی معجز العقول معما کے اندر پوشیدہ ہی، اس کا جواب نفیًا یا اثباتًا ادعائی لہجہ مین نیائے
مذہب پر ایک خطرناک حملہ ہی،

احادیث مین ہی کہ ایک دفعہ آپ باہر تشریف لائے دیکھا کہ کچھ اصحاب بیٹھے باتین
کررہے ہین، دریافت فرمایا کہ کس مسئلہ پر گفتگو کر رہے ہو، عرض کی مسئلہ قدر پر، یہ سنکر آپ اسقدر
برافروختہ ہوئے کہ چہرہ سُرخ ہوگیا، راوی کا بیان ہی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے روئے
مبارک پر انار کے دانے نچوڑ دیئے ہین، اور فرمایا تم سے پہلی قومین اسی مین ہلاک ہوئین،
مین تاکید کرتا ہون کہ اس مین جھگڑا نہ کرو،[1]

حضرت قاسم بن محمد، حضرت صدیق اکبر کے پوتے، اور مدینہ کے دار الفقہ کے
رکن اعظم تھے ایک دفعہ دیکھا کہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے مسئلہ قدر مین گفتگو کر رہے ہین،
فرمایا،

کفوا عما کف اللہ عنہ[2] — جس سے اللہ تعالی خاموش ہاہی تم بھی خاموش رہو،

کلام: مامون عباسی کے عہد خلافت مین یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ کلام الٰہی قدیم ہے یا حادث ہی
مخلوق ہے یا غیر مخلوق، کلام چونکہ خدا کی صفت ہی، اور خدا کی ذات کی طرح قدیم اور
غیر مخلوق ہونا چاہیئے، اسلیئے محدثین اور ارباب ظاہر اس کے معتقد ہین کہ کلام الٰہی غیر
مخلوق ہی، معتزلہ کہتے ہین کہ کلام خدا کی ذات کے علاوہ ہی، اور خدا کی ذات کے سوا ہر شئے
حادث ہی اور مخلوق ہے، قرآن کہتا ہے کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ خدا کی ذات
کے سوا ہر شئے فنا ہونے والی ہے، قرآن مین فرعون وہامان کا ذکر ہے، کلام الٰہی اگر قدیم

---

[1] ترمذی، قدر، حدیث غریب۔ [2] ابن سعد جزء مدینہ، تذکرہ قاسم بن محمد،

وغیرہ مخلوق ہی تو کیا یہ لوگ بھی قدیم وغیر مخلوق ہین،

حنابلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ، وغیرہ کا بیان ہے کہ جس زمانہ مین یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے، اس زمانہ کے تمام علمائے کبار اور ائمہ سنت نے اپنا یہ مذہب ظاہر کیا کہ کلام الٰہی غیر مخلوق اور قدیم ہی، امام احمد بن حنبل جنھون نے فرمان شاہی کے مقابلہ مین بڑی استقامت ظاہر کی تھی، اونھون نے بھی علی الاعلان اہل السنتہ کا یہی مذہب بتایا تھا، تعصب اور فریقانہ مخالفت کا جوش جانے دو، اور سکون خاطر کے ساتھ غور کرو کہ کیا قرآن کو حادث و قدیم یا مخلوق و غیر مخلوق کہنا محمد رسول اللہ اور صحابہ کے معتقدات مین داخل تھا، اسلام کی تبلیغ صرف یہ ہی کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور اس کے من اللہ ہونے کا ہم کو یقین کامل ہی،

اصل یہ ہی کہ علمائے سنت نے یہ فتوی دیا تھا کہ جو شخص قرآن کو یا کلام الٰہی کو "مخلوق" کہے وہ کافر ہوگا، نہ اسلئے کہ اس کو "غیر مخلوق" کہنا چاہیئے تھا، بلکہ اسلئے کہ "مخلوق" کہنا جیسا کہ معتزلہ کہتے تھے بدعت اور قرآن و سنت کے بتائے ہوئے معتقدات پر نئی شے کا اضافہ ہے، امام بخاری نے جزر افعال العباد مین دیگر اقوال کے ساتھ علمائے سنت کے یہ اقوال بھی لکھے ہین،

علی بن عبد اللہ فرماتے ہین،

القرآن کلام اللہ من قال انہ مخلوق فھو کافر،	قرآن خدا کا کلام ہے جو کوئی یہ کہے گا کہ وہ مخلوق ہے وہ کافر ہے،

سفیان بن عیینہ اکابر اہل سنت مین شمار ہوتے ہین، اونھون نے نہایت غضبناک ہو کر فرمایا،

ویحکم القرآن کلام اللہ قد	افسوس تمپر "قرآن خدا کا کلام ہے"، مین نے

صحبت الناس وادرکتھم ھذا عمرو بن دینار وھذا ابن المنکدر حتی ذکر منصوراً والاعمش ومسعر بن کدام فقال ابن عیینة قد تکلموا فی الاعتزال والرفض والقدر وامرو باجتناب القوم فما نعرف القران الا کلام اللہ ومن قال غیر ھذا فعلیہ لعنة اللہ،

بزرگون صحبتین اٹھائی ہین انکا زمانہ پایا ہے یہ ابن دینار، یہ ابن منکدر، یہان تک کہ انھون نے منصور، اعمش، مسعر ابن کدام کا بھی نام لیا، ان لوگون نے معتزلہ، رافض اور قدریہ پر اعتراضات کئے اور ان سے بچنے کی تاکید کی ہم صرف یہ جانتے ہین کہ قرآن خدا کا کلام ہے اس کے سوا جو کوئی اور کچھ کہے گا وہ ملعون ہے،

ظاہریہ نے قیامت یہ کی ہے کہ صحابہ تک سے قرآن کے غیر مخلوق ہونے کی روایتین نقل کردی ہین، حافظ ابو احمد نے ان حدیثون سے انکار فرمایا،

ما یعرف الصحابة رضی اللہ عنھم الخوض فی القرآن،

صحابہ کرام سے قرآن مین مطلق بحث منقول نہین،

اسحاق بن راہویہ سے لوگون نے پوچھا کہ قرآن کے مسئلہ مین مخلوق کی بحث جو پیدا ہوگئی ہے اس کی نسبت آپکی کیا رائے ہے، فرمایا،

القرآن کلام اللہ وعلمہ ووحیہ ولیس بمخلوق،

قرآن خدا کا کلام اوس کا علم اور اوس کی وحی ہے، مخلوق نہین ہے،

عمرو بن دینار جو بڑے بڑے اکابر صحابہ کی خدمت مین رہے تھے وہ بھی اپنا یہی مسلک بیان کرتے تھے، اور فرماتے تھے،

علی ھذا امضی صدر ھذہ الامۃ ولم یختلفوا فی ذالک، اس امت مرحومہ کا پہلا زمانہ اسی مسلک پر گذر گیا اور اس مین کسی نے اختلاف نہین کیا،

حضرت امام زین العابدین علی بن حسین سے کسی نے یہ مسئلہ دریافت کیا، فرمایا، کتاب اللہ و کلامہ قرآن خدا کی کتاب اور اوس کا کلام ہے، ایک روایت مین ہے کہ اونھون نے فرمایا لیس بالخالق و لا بالمخلوق ولکن کلام الخالق قرآن نہ خالق ہی نہ مخلوق ہی بلکہ خالق کا کلام ہی، (جو لوگ قرآن کو غیر مخلوق کہتے ہین اون کو خالق نہین تو خالق کا جزء تو قرآن کو تسلیم کرنا پڑے گا)

بعینہ یہی جواب امام جعفر صادق سے مروی ہی، اونھون نے فرمایا، لیس بالخالق و لا بالمخلوق ولکنہ کلام اللہ تعالے، نہ خالق ہے نہ مخلوق لیکن خدا ے پاک کا کلام ہے، امام عبد اللہ بن مبارک کا بھی یہی مذہب ہے لیس بالخالق و لا بمخلوق،

منصور بن عمار ایک محدث ہین، اون سے کسی نے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ کلام الٰہی عین خدا ہے یا جزء خدا ہے یا غیر خدا ہے، اونھون نے جواب دیا "اللہ تعالیٰ ہم سب کو فتنہ سے بچائے اور اہل السنۃ والجماعۃ مین سے بنائے، پیغمبرون کے بعد بندون کے لئے خدا پر کوئی حجت نہین ہے، ہم سمجھتے ہین کہ قرآن کی نسبت یہ بحث بدعت ہے جس مین سائل اور مجیب دونون شریک ہین، سائل اس مین پڑتا ہے جو اوس پر فرض نہین اور مجیب بہ تکلف وہ کرتا ہے جو اوس پر فرض نہین، خدا کے سوا مین کسی کو خالق نہین کہتا، اور اوس کے سوا سب مخلوق ہی، قرآن خدا کا کلام ہے، اس کے بعد رُک جاؤ، قرآن کی کوئی صفت اپنی طرف سے نکرو ورنہ گمراہ ہوگے، اسی قسم کے

اقوال اور ائمہ سے بھی ثابت ہین،

استوار اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے، اور ہر جگہ ہے، قرآن مجید مین یہ دونون باتین مذکور ہین، یہ بھی ہے کہ،

اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ — جدھر منھ پھیرو ادھر ہی خدا ہی،

یہ بھی مذکور ہے،

اَلرَّحْمٰنُ عَلَے الْعَرْشِ اسْتَوٰی — خدا تخت پر برابر ہوا،

بعض ائمہ ان آیتون کے معنی یہ لیتے ہین، کہ خدا وجوداً آسمان پر ہی لیکن اپنے علم کی روسے وہ ہر جگہ ہے **جہمیہ** کا اعتقاد یہ ہے کہ خدا اپنے وجود کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہے امام **مالک** سے کسی نے الرحمن علے العرش استویٰ کے معنی دریافت کئے، اونھون نے سنکر سر جھکا لیا، پھر فرمایا،

الاستواء معلوم وکیفیۃ مجھول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ — استوار کے معنی معلوم ہین، اس کی کیفیت مجہول ہی اس پر ایمان لانا واجب ہی اور اوسکی نسبت بحث وسوال کرنا بدعت ہی،

درحقیقت امام مالک نے ان چند فقرون مین قدمائے اہل السنۃ کے اصول کلیہ کی تعلیم فرمادی ہے اور یہی وہ اصول ہے جو ہر قسم کے ایرادات اور اعتراضات عقلی کے لئے سپر ہے، اونھون نے اس کی وجہ بھی ظاہر کردی ہے، اونھون نے کہا کہ اگر تمھارے اعتقادات کی بنیاد جدل، مناظرہ اور دلائل عقلی پر ہے تو بالکل ممکن ہے کہ کل تم سے زیادہ پرزور اور بولنے والا آدمی تمھارے سامنے آجائے اور اپنے دلائل سے تمھین معقول کردے، تو کیا تم اپنا مذہب چھوڑدوگے اور پرسون اس سے

زیادہ طبیعت دار اور چلتا ہوا تم سے دو بدو ہوا اور وہ کل کے دلائل کو جن کو سنکر تم معقول ہوگئے تھے پرزہ پرزہ کردے تو کیا پھر اپنا نیا مذہب بھی بدل دوگے[1]، اور اسیطرح ہر نئے دن کے آفتاب کے ساتھ تمھارا مذہب ڈوبتا نکلتا رہیگا،

بعض شبہات کا ازالہ یہ پورا سلسلۂ مضمون پڑھکر ممکن ہے کہ بعض صاحبون کو یہ شک پیدا ہو کہ اہل السنتہ کے نزدیک مذہب عقل کے خلاف چیز ہے یا کم ازکم یہ کہ وہ مذہب کا عقل کے موافق ہونا ضروری نہین سمجھتے ہین،

اس سوال کے حل کرنے مین دو باتین قابل لحاظ ہین، اول یہ کہ ہم مذہب کو جن عقائد و اعمال کا مجموعہ سمجھتے ہین اون کا اس قدر حصہ جس کو صاحب شریعت نے ہم پر کھول دیا ہے اور جو درحقیقت مذہب ہے اس نے اس کے تمام اصول و فروع بھی ہم کو بتا دیئے ہین، اس کا ایک ایک ذرہ خلاف عقل نہین ہے اس کے دلائل وہی صحیح ہین جو خود شریعت نے اپنے دعوون کے ساتھ پیش کیئے ہین اور وہ تمامتر عقل کے مطابق ہین، لیکن وہ حصہ جو درحقیقت مذہب کا جزو نہین، یعنی ہمارے علم کلام کے وہ عناصر جو قرآن اور سنت صحیحہ سے ماخوذ نہین اور جو فی الحقیقت اس جسم کا مادہ فاسد ہے، ممکن ہے کہ وہ خلاف عقل اور مجموعۂ محالات ہو

(۲) دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ جب ہم ایک شے کو **خلاف عقل** کہنے کا دعوی کرتے ہین تو اس کے دوسرے معنی یہ ہین کہ عقل نے مسلم طور سے ایک بات پہلے سے طے کردی ہے جس کے دلائل اس قدر مضبوط ہین کہ وہ ٹوٹ نہین سکتے، اب مذہب اس کے خلاف ایک دوسری بات کہتا ہے جس کو مان لینا ایک ثابت شدہ عقلی مسئلہ کو باطل کردینا ہے لیکن ذرا غور کرو کہ مذہب اور عقل کے درمیان جو مسائل متنازع فیہ کیے جاتے ہین، کیا ان

---

[1] جامع بیان العلم لابن عبدالبر صفحہ ۱۵۵ مصر

متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ عقل نے مضبوط اور مستحکم دلائل سے اس طرح ان کو ثابت کر دیا ہے کہ وہ قطعی ہو گئے ہین اور اون کے خلاف کہنا ایک ثابت شدہ مسئلہ کا انکار ہے، حقیقۃً ایسا نہین ہے، اسلیے کسی شئے کو **خلاف عقل** کہدینے مین جلدی نہین کرنی چاہیے، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہو کہ ہماری عقلین اس کا فیصلہ نہین کر سکتین، اور یہ سچ ہے،

مشکلِ عشق نہ در حوصلۂ دانشِ ماست   حل این نکتہ بائین فکرِ خطا نتوان کرد

(۳) آخری اعتراض تم یہ کر سکتے ہو کہ اس اصول کے مطابق تو اسلام کے مخالف مذاہب پر بھی کوئی عقلی اعتراض نہین کیا جا سکتا کہ اون کی صحت کا معیار بھی عقل نہین ہو سکتا لیکن ہم یہ کہین گے کہ **اسلام** نے جن مسائل کی تلقین کی ہے وہ سرتاپا عقلی ہین، اور جب اون کے مخالف یا متضاد کوئی ہدایت کسی مذہب مین ہے تو درحقیقت وہ خلاف عقل ہے، اور اسکی صحت کا جائزہ عقل ہی سے لیا جا سکتا ہے، ہمارا مقصد اصلی اچھی طرح سمجھ لیجیے قرآن اور سنت صحیحہ نے بتا دیا ہے کہ وہ ہماری عقل کے مطابق ہے، اور اسی پر تم کو اکتفا کرنا چاہیے اور جو نہین بتایا ہے، اوس کی تشریح، اس مین زیادتی، یا اوس مین کمی بذریعۂ عقل جائز نہین یعنی اس راستہ پر ہم کو اپنی روشنی سے نہین بلکہ خدا کی دی ہوئی روشنی کے سہارے سے چلنا چاہیے،

(۴) آخر مین ایک اور غلطی دور کر لینا چاہیے، میری تقریر سے یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ عقل کو بیکار محض سمجھتا ہون، بلکہ مین عقل کو محدود الاختیار سمجھتا ہون، ہمارے حواس جو ہماری عقل کے ذرائع علم ہین ان سے ہماری عملی عقل جو معلومات حاصل کرتی ہے، ان سے آگے بڑھکر ماورائے محسوسات مین وہ بیکار رہے، اور یہ عقل کی تحقیر نہین، بلکہ اس کے اختیارات اور قدرت کی واقعی تحدید ہے، بصارت ایک خاص فاصلہ کے آگے نہین دیکھ سکتی، سماعت اپنے عمل کے لیے ایک مخصوص دائرہ چاہتی ہے جس کے بعد وہ بیکار رہتی ہے، اسی طرح

عقل انسانی ایک محدود دائرہ رکھتی ہے جس کے بعد وہ بیکار رہی، اور نیز جس طرح ہر حاسہ اپنے خاص کام کے علاوہ دوسرا کام انجام نہین دیسکتا اسی طرح عقل انسانی بھی اپنے خاص دائرہ عمل کے سوا دوسرا کام انجام نہین دیسکتی جو شخص اسبات کا شاکی ہے کہ ہم مادیات مین رہ کر اپنی عقل کے ذریعہ سے براہ راست مادہ کے حالات سے کیون واقف نہین ہوسکتے، اس کو سب سے پہلے یہ شکایت کرنی چاہیئے کہ لکھنؤ مین بیٹھکر ہم کو لندن کی عمارتین کیون نظر نہین آتین، اور ہندوستان مین ہم کو فرانس کے میدان جنگ کی توپون کی آوازین کیون سنائی نہین دیتین؟

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ